تاریخ کا سبق

ڈاکٹر گوہر مشتاق

تاریخ کا سبق

ڈاکٹر گوہر مشتاق

اذان سحر پبلی کیشنز
منصورہ، ملتان روڈ، لاہور فون042-35435667

جملہ حقوق محفوظ ہیں !

نام کتاب	:	تاریخ کا سبق
مصنف	:	ڈاکٹر گوہر مشتاق
ناشر	:	عباس اختر اعوان
		اذان سحر پبلی کیشنز، منصورہ۔ملتان روڈ لاہور
اشاعت	:	نومبر 2013ء
مطبع	:	رانا پرنٹرز، لاہور
قیمت	:	50 روپے

ملنے کے پتے:

- ......ادارہ معارف اسلامی منصورہ ملتان روڈ لاہور۔5432419
- ......ادارہ مطبوعات طلبہ 1اے ذیلدار پارک، اچھرہ لاہور۔7553991
- ......دی بک ڈسٹری بیوٹرز، کراچی، 021-2787137
- ......مسٹر بکس، سپر مارکیٹ، اسلام آباد فون 051-2278843,2278845
- ......اسلامی کتاب گھر، خیابان سرسید، راولپنڈی 051-4830451
- ......ملک اولڈ بک ڈپو، کمیٹی چوک راولپنڈی
- ......احمد بک کارپوریشن، کمیٹی چوک راولپنڈی
- ......مکتبہ تبلیغ اسلام، الاکرام بلڈنگ راولپنڈی 5962137
- ......النور اسلامک بکس۔سنگاپور پلازہ۔صدر۔راولپنڈی 5794605
- ......ادارہ تطہیر افکار، جی ٹی روڈ، پشاور۔091-262407
- ......ادارہ پاسبان خبر مرکز۔1سرور روڈ، نزد سٹیٹ بینک بلڈنگ ملتان

فہرست

☆...... تعارفِ مصنف 5

تاریخ کا سبق

☆...... عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی 7
☆...... اللہ کے راستے میں شکست اور فتح میں پوشیدہ حکمتیں 25
☆...... ناقصاں را پیر کامل، کاملاں را رہنما صلی اللہ علیہ وسلم 33
☆...... حضرت کعب بن مالک کی کہانی، اُن کی اپنی زبانی 40
☆...... کعب بن مالکؓ کی کہانی سے حاصل ہونے والے سبق 51
☆...... جہاد کرنے سے زیادہ مسلمان مرتے ہیں یا جہاد چھوڑنے سے؟ 57
☆...... عزت اسلام میں ہے لیکن مسلمان کہیں اور ڈھونڈتے ہیں 70
☆...... ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات 75
☆...... قرآن کے مطابق کن کن لیڈروں کی اطاعت نہ کی جائے؟ 83
☆...... کیا ہمیں ایک ہی بل سے بار بار ڈسا جانا چاہیے؟ 86
☆...... مضبوطی اور امانت داری: ایک مسلم لیڈر کی لازمی صفات 91

☆...... آ تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ اُمم کیا ہے 95

☆...... تفرقہ بازی اور زوال کا گہرا تعلق 96

☆...... تاریخ کا سبق 98

☆...... نااتفاقی کی بیماری کے لیے نسخہ کیمیا 101

☆...... اُمتِ مسلمہ کی بے حسی، دعاؤں کے آئینے میں 107

دیتے رہتے ہیں ۔انگلش اور اردو زبان میں بہت سی اسلامی کتابوں کے مصنف ہیں ۔اُن کی انگریزی کتابوں کی تفصیلات انٹرنیٹ سے حاصل کی جاسکتی ہوں ۔ ڈاکٹر گوہر کی اردو کی کتابوں کی لسٹ درج ذیل ہے:

1......ایک آنکھ والا دجال

2......موسیقی، اسلام اور جدید سائنس کی روشنی میں

3......انسانی دل اور قبولِ اسلام۔ ایک مذہبی اور سائنسی تجزیہ

4......معرکۂ روح و بدن

5......پردہ : عقلمند خواتین کا انتخاب

6......دجالی دور اور مسلم نوجوان

7......داڑھی کی اہمیت،قرآن وسنت اور جدید سائنس کی روشنی میں

8......ویلنٹائن ڈے۔ بُت پرست رومیوں کا تہوار

9......سورۃ الواقعہ کی سائنٹفک تفسیر

10......سورۃ یٰسٓ کی تفسیر: کتاب وسنت اور جدید تحقیقات کی روشنی میں

11...... تزکیۂ نفس، اسلام اور جدید علم نفسیات کی روشنی میں

12 ...... روزے کے روحانی اور طبی فوائد۔قرآن،حدیث اور میڈیکل سائنس کی روشنی میں

13 ...... اللہ کی مدد کیوں نہیں آرہی؟

14 ...... دجالی دور اور مسلم خواتین

15 ...... مسلم نوجوانوں کو درپیش سب سے بڑا مسئلہ

16 ...... تاریخ کا سبق

17 ...... عرشِ الٰہی سے لٹکتی قندیلوں میں، سبز پرندوں کے دلوں میں

تاریخ کا سبق

’’عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی‘‘

آج مسلمان اُمت پر جمود بہت بری طرح طاری ہو چکا ہے۔ اُس پر مستزاد یہ کہ دجالی میڈیا نے یہ خیال مسلمانوں کے ذہنوں میں ڈرل (Drill) کر دیا ہے کہ مسلمان دو قسم کے ہیں؟ ’’معتدل مسلمان‘‘(Moderate Muslims)اور متشدد مسلمان (Fundamentalist / Extremist)۔ اِس نئی قسم (معتدل مسلمان) کو درباری علماء (Scholars for Dollars) بھی مسلم عوام میں مزید عام کرتے ہیں۔ آج ہمارے مغرب پرست حکمرانوں اور ایجنٹوں کی مغربی آقاؤں کے "Think Tanks" باقاعدہ رہنمائی کرتے ہیں۔ چنانچہ مغربی مفکرین اور مسلم منافقین کے کئی سالوں کے مسلسل گٹھ جوڑ اور تحقیق کے بعد اُنھوں نے ایک رپورٹ میں مسلمانوں کو چار بنیادی قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ بحوالہ:

(Rand Corporation Report: Civil Democratic Islam by: Cheryl Bernard)

مغربی تھنک ٹینک ’’رینڈ کارپوریشن‘‘ کے مطابق مسلمانوں کی چار بنیادی قسمیں اور اُن ہی کے الفاظ میں اُن کی کچھ تفصیل ذیل میں بیان کی جاتی ہے:

(1) Fundamentalist (بنیاد پرست)

یہ ایسے مسلمان ہیں جو اسلام کو ایک مکمل سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام سمجھتے ہیں اور اسلام کا یہ نظام مسلم معاشروں میں دوبارہ سے لانا چاہتے ہیں۔ یہ مغربی کلچر کے خلاف ہیں۔ یہ لوگ خدا کے قانون کے علاوہ کسی دوسرے قانون کی حکومت کو تسلیم نہیں کرتے۔ یہ لوگ اللہ کے قانون کو نافذ کرنے کے لئے جدید ٹیکنالوجی بھی استعمال کرنا چاہتے ہیں اور کرتے ہیں۔

اِن کے ساتھ ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اِس کا جواب رینڈ کارپوریشن کی طرف سے یہ ہے کہ اِن بنیاد پرست مسلمانوں کی مخالفت کرو۔ Fundamentalist مسلمان اپنی تحریروں اور تقریروں میں اسلام کی تشریح کریں گے لیکن اِن کی تحریروں اور تقریروں میں سے غلطیاں ڈھونڈو۔ میڈیا پر بالخصوص مسلم نوجوانوں کو بتاؤ کہ یہ بنیاد پرست مسلمان دراصل متشدد (Extremists) اور ہارے ہوئے (Losers) ہیں۔ مسلم نوجوانوں کو اِن بنیاد پرست مسلمانوں سے بدظن کرو۔ یہ جہاں ملیں اُن کو ختم کردو کیونکہ یہ ہماری مغربی تہذیب کے لیے بڑا خطرہ ہیں۔

[آجکل اِس کا بڑا آسان طریقہ نکل آیا ہے کہ ایسے بنیاد پرست مسلمانوں پر میڈیا کے ذریعے ''دہشت گرد'' اور ''القاعدہ کا ممبر'' ہونے کا الزام لگا دیا جائے تو پھر کسی بھی شخص کو بغیر کسی احساسِ ندامت کے اور بغیر کسی ثبوت کے ختم کیا جا سکتا ہے بلکہ پورے پورے اسلامی ممالک پر یہ الزام لگا کر اُنھیں ختم کیا جا سکتا ہے۔ اِس کے لئے اگر ایک دو جگہوں پر دھماکے بھی کروانے پڑ جائیں تو کیا فرق پڑ جاتا ہے۔ پھر میڈیا پر ہم اعلان کردیں گے کہ ''القاعدہ'' نے یا ''طالبان'' نے اُس حملے کی ذمہ داری بھی قبول کر لی ہے اور ساتھ ہی یہ خبر بھی نشر کردیں گے کہ (جس اسلامی ملک پر حملہ کرنے کا ہم جواز ڈھونڈ رہے ہیں) اُس ملک کے ایک اعلیٰ سرکاری عہدیدار یا افسر نے یہ بات بتائی ہے

کہ یہ دھما کہ ’’القاعدہ‘‘ یا ’’طالبان‘‘ نے کروایا ہے اور اُس سرکاری عہدیدار نے ہم میڈیا والوں کو یہ بات اِس شرط پر بتائی ہے کہ اُس کا نام صیغۂ راز میں رکھا جائے۔ ارے بھئی، میڈیا ہمارے ہاتھ میں ہے ہم اِسے جہاں چاہے موڑیں۔ کسی کے باپ کی جرأت نہیں کہ ہمارے سے ثبوت مانگے۔ بس اُس کے بعد مسلمان ملکوں کا خون اور تیل دونوں چیزیں مغربی مما لک اور اُن کی صلیبی افواج کے لئے حلال ہو جاتی ہیں۔]

(2) Traditionalists (روایت پسند / قدامت پسند)

یہ ایسے مسلمان ہیں جن کے ذہنوں میں اسلام کا محدود تصور پایا جاتا ہے۔ یہ لوگ دراصل فرائضِ دینی کا محدود تصور رکھتے ہیں۔ یہ لوگ اسلام کو صرف عبادات کا مجموعہ سمجھتے ہیں یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، وغیرہ۔ یہ لوگ اپنے مدرسوں یا حجروں میں بیٹھ کر اپنے مسلک اور فقہ کو پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہیں۔ یہ ہماری مغربی تہذیب کو چیلنج نہیں کرتے۔ یہ اپنی عبادات میں مشغول ہیں گویا کہ بقول اقبال:

ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

رینڈ کارپوریشن نے مغربی حکومتوں اور میڈیا کو یہ مشورہ بھی دیا کہ Fundamentalists کے مقابلے میں Traditionalists کی حمایت کرو۔ اگر روایت پسند ملاؤں نے بنیاد پرستوں پر تنقید کی ہے تو اُس کو لوگوں میں عام کرو۔ روایت پسندوں اور بنیاد پرستوں کے درمیان اختلافات کو ہوا دو یعنی نمک مرچ لگا کر آگے پھیلاؤ۔ روایت پسندوں کے پاس جمعہ کا خطبہ کی صورت میں ایک سٹیج موجود ہے اِس لیے اُنھیں فروعی اور فقہی اختلافات میں اُلجھا رہنے دو اور اسلام کی بنیادوں (قواعد) کی طرف مت آنے دو۔ میڈیا پر روایت پسندوں کو ہارا ہوا (Losers) کے طور پر پیش کرو اور نوجوانوں میں اُن کا مذاق اُڑاؤ۔

(3) Modernists (جدیدیت پسند/روشن خیال)

یہ لوگ مسلم دنیا کو زمانے کے ساتھ چلانا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ اسلام کی ''اصلاح'' کرنا چاہتے ہیں تاکہ اسلام کی جدید تعبیر (Explanation) کر سکیں۔ (یعنی یہ لوگ اسلام کا نیا ایڈیشن تیار کرنا چاہتے ہیں جس طرح مغل بادشاہ اکبر نے ''دینِ الٰہی'' کی صورت میں اسلام کا ایک نیا ایڈیشن تیار کیا تھا)۔ یہ لوگ ہمارے مغربی کلچر کے سب سے زیادہ قریب ہیں اور یہی لوگ ہمارے اخلاقی اقدار کو اپنا رہے ہیں۔

رینڈ کارپوریشن نے مشورہ دیا ہے کہ مغربی حکومتوں اور میڈیا کو ماڈرنسٹ اور روشن خیال مسلم مفکرین کی تحریریں مالی اعانت کے ساتھ سستے داموں شائع کر کے عام کرنی چاہیں۔ ہمیں اِن ماڈرنسٹوں کی ہمت بندھانی چاہیے کہ یہ لوگ عوام اور مسلم نوجوانوں میں اپنے نظریات عام کرنے کیلئے لکھیں۔ اِن کے نظریات کو اسلامی ایجوکیشن کے نصاب میں شامل کیا جائے۔ اِنھیں پبلک پلیٹ فارم دیا جائے (جس طرح پاکستان کے سرکاری ٹی وی چینلو پر روشن خیال اسلامی مفکرین کے ''اسلامی'' لیکچرز پیش کیے جاتے ہیں)۔

رینڈ کارپوریشن کے مطابق اِن ماڈرنسٹوں کو میڈیا کے چینلو پر آنے کا موقع دینا چاہیے اور لوگوں کے ذہن میں یہ بات بٹھانی چاہیے کہ اسلام کی جو تشریح یہ روشن خیال مفکرین دے رہے ہیں، بس یہی اصل اسلام ہے۔

(4) Secularists (سیکولر حضرات)

رینڈ کارپوریشن کے مطابق مسلمانوں میں موجود سیکولر حضرات کا یہ ایمان ہے کہ مغربی جمہوریت کی طرح اسلام میں بھی مذہب اور ریاست علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ مذہب کا دائرہ کار صرف چند رسومات اور عبادات تک محدود ہے۔ مذہب کا انسان کی طرزِ زندگی سے کوئی تعلق نہیں اور اللہ کا ہماری ذاتی زندگیوں میں کوئی دخل نہیں ہونا چاہیے۔

رینڈ کارپوریشن نے مغربی حکومتوں اور میڈیا کو یہ تلقین کی ہے کہ سیکولر حضرات کی دھیان سے مدد کی جائے۔ اُنھیں بتایا جائے کہ بنیاد پرستی (Fundamentalism) ہم دونوں کا مشترکہ دشمن ہے۔ لیکن ایسے سیکولر حضرات کی حوصلہ شکنی کی جائے جو امریکہ کی مخالف قوتوں (مثلاً کمیونسٹوں) کا ساتھ دیتے ہیں۔ سیکولر حضرات کو میڈیا میں اچھا کوریج دیا جانا چاہیئے۔

قارئینِ کرام، یہ ہے مغربی تھنک ٹینک رینڈ کارپوریشن (Rand Corporation) کے مطابق مسلمانوں کی تقسیم۔ اِس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کو کتنے مکار اور خطرناک دشمن سے واسطہ ہے، نہ صرف باہر کے دشمن بلکہ اند کے منافقین بھی جو اسلام کی جڑیں روشن خیالی یا سیکولرزم کے روپ میں کاٹ رہے ہیں۔ اب بھی مسلمان نہیں جاگیں گے تو آخر کب جاگیں گے؟

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کے مطالعے سے ہمیں تو یہ پتہ چلتا ہے کہ مذہب کے اعتبار سے انسان تین قسم کے ہیں۔ مومن، منافق اور کافر۔ قرآن ہمیں ''معتدل مسلم'' اور ''کٹر مسلم'' کی کوئی تقسیم نہیں بتاتا۔ اسی طرح اسلام کے مطابق ''بے عمل مسلمان'' (Non-practicing Muslim) یا ''سیکولر مسلمان'' نام کی کوئی چیز نہیں ملتی۔ مثلاً اگر ایک شخص مسلمان والدین کے گھر میں پیدا ہوا ہے اور اُس کا نام مسلمانوں والا ہے لیکن وہ نماز نہیں پڑھتا تو اُس کا ٹھکانہ کہاں ہوگا؟ قرآن ہی ہمیں اِس کا جواب دیتا ہے:

فِی جَنّٰتٍ یَتَسَآءَلُوْنَ ○ عَنِ الْمُجْرِمِیْنَ ○ مَا سَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ ○ قَالُوْا لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ ○ (سورہ المدثر: 43-40)

''(اہلِ جنت) مجرموں سے پوچھیں گے تمہیں کیا چیز دوزخ میں لے گئی؟ وہ

کہیں گے ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے۔''

چنانچہ جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ایمان ہمارے دل میں ہے (یا پردہ تو اصل دل کا ہوتا ہے یا میرا دل نماز پڑھتا ہے، وغیرہ) تو اُن کا یہ دعویٰ اُس وقت تک جھوٹا ہے جب تک وہ عمل سے اپنے ایمان کے دعوے کو ثابت نہ کرلیں۔ ایمان دل کے اعتقاد، زبان سے اقرار اور عمل سے اظہار کا نام ہے۔

(Emaan involves conviction by the heart, declaration by the tongue and implementation by the limbs.)

بہر حال، آج مسلمان ذلت کے گڑھے سے تب ہی نکل سکتے ہیں جبکہ وہ عمل کے میدان میں آجائیں۔ کسی بھی قوم کی ترقی کیلئے دو چیزیں یعنی عمل (حرکت) اور اتحاد لازمی ہیں۔ کسی بھی قوم کی ترقی اُس وقت تک ممکن نہیں ہوتی جب تک اُس کے افراد تبدیلی لانے کے لئے میدانِ عمل میں نہ نکل آئیں۔ مثال کے طور پر ہجرت ایک عظیم حرکت ہے۔ ڈاکٹر علی شریعتی اپنی کتاب On the Sociology of Islam (مطبوعہ کیلیفورنیا 1979ء) میں لکھتے ہیں:

''کسی بھی نئی تہذیب کے عروج میں ہجرت انتہائی اہم کردار ادا کرتی ہے۔ تاریخ انسانی کی تمام بڑی 27 تہذیبوں کی پیدائش ہجرت سے ہوئی۔ اِس میں کوئی استثناء (Exception) نہیں پایا جاتا۔ تمام تہذیبیں، عصرِ حاضر کی امریکی تہذیب سے لے کر قدیم زمانہ کی سمیری تہذیب تک، سب ہجرت کے نتیجے میں وجود میں آئی ہیں ......صحابہ کرامؓ نے بھی پہلے حبشہ ہجرت کی اور پھر آخر مدینہ ہجرت کی اور اُسی کے نتیجے میں اسلامی تہذیب وجود میں آئی۔''

ہجرت کا تصور اسلام میں اتنا اہم ہے کہ قرآن میں اکثر مقامات پر ہجرت اور جہاد ساتھ

ساتھ آئے ہیں:

وَالَّذِيْنَ آمَنُواْ وَهَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ فِيْ سَبِيْلِ اللّهِ وَالَّذِيْنَ آوَواْ وَّنَصَرُواْ أُولَـئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقّاً لَّهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيْمٌ

(سورہ الانفال:74)

"جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑے اور جد وجہد کی اور جنہوں نے پناہ دی اور مدد کی وہی سچے مومن ہیں۔ اُن کے لیے خطاؤں سے درگزر ہے اور بہترین رزق ہے۔"

قرآن میں ایک اور جگہ آتا ہے:

الَّذِيْنَ آمَنُواْ وَهَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ فِيْ سَبِيْلِ اللّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِندَ اللّهِ وَأُوْلَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ○

(سورہ التوبہ:20)

"اللہ کے ہاں تو انہی لوگوں کا درجہ بڑا ہے جو ایمان لائے اور جنھوں نے اس کی راہ میں گھر بار چھوڑے اور جان و مال سے جہاد کیا۔ وہی لوگ کامیاب ہیں۔"

اسی طرح حدیث مبارک میں آتا ہے:

لَا تَنْقَطِعُ الْهِجْرَةَ مَا كَانَ الْجِهَادُ (مسند احمد)

"ہجرت ختم نہ ہوگی جب تک جہاد باقی ہے۔" (یعنی قیامت تک ہجرت ختم نہ ہوگی)

(مسند احمد جلد 4، صفحہ 62۔ شیخ الالبانی نے اپنی کتاب السلسلة الصحيحة (4 / 239,240) میں اس حدیث کی سند کو صحیح کا درجہ دیا ہے۔)

حرکت (عمل) کے بعد ترقی کا دوسرا بڑا راز ''اتحاد'' میں پوشیدہ ہے۔قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّهِ جَمِيعاً وَلاَ تَفَرَّقُواْ ﴾ (سورہ آل عمران:103)

''تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔''

اس آیت میں ''اللہ کی رسی'' سے مراد اُس کا دین ہے۔ دین اسلام کو اللہ کی رسی سے اِس لیئے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہی وہ رشتہ ہے جو ایک طرف اہل ایمان کا تعلق اللہ سے قائم کرتا ہے تو دوسری جانب مسلمانوں کو ایک جماعت میں پرو دیتا ہے۔انگریزی زبان میں مذہب کے لیے "Religion" کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے جس کی اصل لاطینی لفظ "*Religio*" ہے جسکا مطلب ہے ''باہم آپس میں جوڑنا'' (to bind)۔بس یہی مذہب کا منشا ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں کو جوڑے۔

پس ''اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے'' کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی نگاہ میں اصل اہمیت ''دین'' کی ہونی چاہیے، اُسی سے اُن کو دلچسپی ہو، اُسی کی اقامت میں وہ کوشاں رہیں اور اُسی کی خدمت کے لیے آپس میں تعاون کرتے رہیں۔وہی اُن کی "First priority" ہو۔ جب بھی مسلمان، دین کی بنیادی تعلیمات، اُس کی عمل کی روح اور اُس کی اقامت کے نصب العین سے ہٹے اور اُن کی توجہات کا مرکز دنیاوی لذتیں اور مقابلہ بازی ہوا تو اُن میں لازماً اختلاف اور فرقہ بندی رونما ہوئی جس طرح پہلے انبیاء کی اُمتوں میں ہوتا رہا ہے۔ایسے ہی لوگوں کے متعلق قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُواْ دِينَهُمْ وَكَانُواْ شِيَعاً لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُواْ يَفْعَلُونَ ○ (سورہ الانعام:159)

''جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے یقیناً اُن سے تمہارا

کچھ واسطہ نہیں ۔اُن کا معاملہ تو اللہ کے سپرد ہے، وہی اُن کو بتائے گا کہ انھوں نے کیا کچھ کیا ہے۔"

پاکستان ہجرت سے وجود میں آیا جو کہ ایک عظیم حرکت (عمل) ہے لیکن پاکستان کو آج تک عروج کیوں نصیب نہیں ہوا؟ اُس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ تہذیبوں کو اٹھانے کے لیے دو باتیں لازمی ہوتی ہیں: حرکت اور اتحاد۔ پاکستان میں ابھی تک بحیثیت قوم کے اتحاد قائم نہیں ہو سکا۔ بقول شاعر کے:

جھگڑے ہیں یہاں صوبوں کے، ذاتوں کے، نسب کے
اُگتے ہیں تہہ سایہ گل، خار غضب کے
یہ دیس ہے سب کا مگر اِس کا نہیں کوئی
اِس کے تنِ خستہ پہ تو اب دانت ہیں سب کے
اقبال ترے دیس کا کیا حال سناؤں

کردار کا گفتار کا اعمال کا مومن
قائل نہیں ایسے کسی جنجال کا مومن
سرحد کا ہے مومن کوئی بنگال کا مومن
ڈھونڈے سے بھی ملتا نہیں قرآن کا مومن
اقبال ترے دیس کا کیا حال سناؤں

(امیر الاسلام ھاشمی صاحب)

کسی بھی معاشرے میں تفرقہ اور طوفانِ بدتمیزی دراصل اُس معاشرے کے زوال کی نشاندھی کر رہے ہوتے ہیں۔ جب لوگ اپنی ذات کے متعلق پہلے سوچتے ہیں اور مسلم قوم کے متعلق بعد میں، تو پھر ہر کوئی اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد تعمیر کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے۔

عصرِ حاضر کے الجزائر کے سوشیالوجسٹ مالک بن نبی مرحوم اپنی کتاب "On the origins of Human Society" (مطبوعہ ملیشیا، 1998ء) میں لکھتے ہیں کہ جب کسی قوم میں اتحاد نہ رہے تو چاہے اُس قوم کے پاس شخصیات، نظریات اور اسباب ہوں، اِس بات کا اُس قوم کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ مالک بن نبی نے اسلامی تاریخ کا مطالعہ کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اسلامی معاشرے میں لوگوں کا مذہب سے لگاؤ اور روحانی تعلق (Spiritual-religious relation) جتنا زیادہ ہوگا، اتنا ہی معاشرے میں اخوت کا رشتہ مضبوط ہوگا اور سوسائٹی کی بنیادیں گہری ہوں گی۔ مالک بن نبی مزید لکھتے ہیں:

> ''ایسے لوگ (مثلاً کٹھ پتلی مسلم حکمران، درباری علماء اور حکومتی دانشور) جو مغربی ایجنڈا کے لئے کام کر رہے ہوتے ہیں وہ اِس ہنر سے بخوبی واقف ہوتے ہیں کہ کس طرح عوام کے اتحاد کو ہر وقت پارہ پارہ کیے رکھیں تا کہ 'لڑاؤ اور حکومت کرو' (Divide and Rule) کے طریقے سے عوام پر حکومت کی جا سکے۔''

جب ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کیا تھا اُس وقت بغداد میں مسلمانوں کے پاس دنیا کی سب سے بڑی لائبریری تھی۔ اُن میں بڑے بڑے نکتہ سنج فقیہ تھے، قاری تھے، زاھد تھے، عابد تھے لیکن چونکہ اُن مسلمانوں میں حرکت (عمل) اور اتحاد نہ تھا اِس لیے دنیا کی سب سے بڑی لائبریری یا عبادات بھی انہیں نہ بچا سکیں۔ اسکے برعکس، صحابہ کرامؓ کی شخصیت نہایت متوازن شخصیت تھے۔ وہ راتوں کو عبادات اور ذکر کرتے تھے جبکہ دن کو گھوڑوں کی پیٹھ پر ہوتے تھے۔ جنگِ قادسیہ سے پہلے ایرانی جاسوسوں نے ایرانی فوج کے کمانڈر رُستم کو مجاہدین کے کیمپوں میں جاسوسی کر کے جو رپورٹ پیش کی تھی اُس میں صحابہ کرامؓ کے متعلق لکھا تھا کہ یہ عجیب لوگ ہیں۔ یہ لوگ رُهْبَانٌ فِي اللَّيْلِ فُرْسَانٌ فِي النَّهَارِ ہیں (یہ صحابہ کرام راتوں کو عبادت کرنے والے اور دن کو شاہسوار مجاہد ہیں)۔ صحابہ کی شخصیت میں یہ زبردست توازن تھا جو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا تھا۔

جب مسلمانوں میں جمود آیا تو اُنھوں نے سمجھا کہ عبادات یا صرف دعاؤں سے فتح حاصل ہوجائے گا لیکن فطرت کا یہ قانون نہیں ہے۔ فطرت کا قانون یہ ہے کہ جو قوم بھی عمل (حرکت اور جہاد) کو چھوڑ کر صرف دعاؤں اور وظیفوں پر بھروسہ کرتی ہے، اُس قوم کا سورج بہت جلد غروب ہوجاتا ہے۔ تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ جب عیسائی اور صلیبی قوم نے عمل کو چھوڑا ہوا تھا تو مسلمان اُن کی پٹائی کر رہے تھے اور جب مسلم قوم نے عمل اور جہاد کو چھوڑ کر اور حجروں میں بیٹھ کر صرف دعائیں، نفلی عبادات اور وظیفوں سے جنگیں جیتنی چاہیں تو اُن کا حال بھی وہی ہوا جو پچھلے دور کے صلیبیوں کا ہوا تھا۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ اپنی کتاب ''غبارِ خاطر'' میں اِس سلسلے میں دو اہم تاریخی واقعات درج کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''صلیبی جہاد نے ازمنہ وسطیٰ کے یورپ کو مشرق وسطیٰ کے دوش بدوش کھڑا کردیا تھا۔ یورپ اُس عہد کے مسیحی دماغ کی نمایندگی کرتا تھا، مشرق وسطیٰ مسلمانوں کے دماغ کی؟ اور دونوں کی متقابل حالت سے اُن کی متضاد نوعیتیں آشکارا ہوگئی تھیں۔ یورپ مذہب کے مجنونانہ جوش کا علمبردار تھا، مسلمان علم ودانش کے علمبردار تھے۔ یورپ دعاؤں کے ہتھیار سے لڑنا چاہتا تھا، مسلمان لوہے اور آگ کے ہتھیاروں سے لڑتے تھے۔ یورپ کا اعتماد صرف خدا کی مدد پر تھا۔ مسلمانوں کا خدا کی مدد پر بھی تھا، لیکن خدا کے پیدا کیے ہوئے سروسامان پر بھی تھا۔ ایک طرف روحانی قوتوں کا معتقد تھا، دوسرا روحانی اور مادی دونوں کا۔ پہلے نے معجزوں کے ظہور کا انتظار کیا۔ دوسرے نے نتائج عمل [results of practical efforts] کے ظہور کا۔ معجزے ظاہر نہیں ہوئے لیکن نتائج عمل نے ظاہر ہو کر فتح وشکست کا فیصلہ کردیا۔

ژوایں ویل (فرانسیسی مؤرخ) کی سرگزشت میں بھی یہ متضاد تقابل ہر جگہ نمایاں ہے۔ جب مصری فوج نے منجنیقوں (Petrary) کے ذریعہ آگ کے بان پھینکنے شروع کیے، تو فرانسیسی جن کے پاس پرانے دستی ہتھیاروں کے سوا اور کچھ نہ تھا بالکل بے بس ہوگئے۔ ژوایں ویل اِس سلسلے میں لکھتا ہے:

''ایک رات جب ہم اُن برجیوں پر جو دریا کے راستے کی حفاظت کے لیے بنائی گئی تھیں، پہرہ دے رہے تھے تو اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے ایک انجن جسے پٹریری (یعنی منجنیق) کہتے ہیں، لاکر نصب کردیا، اوراُس سے ہم پر آگ پھینکنے لگے۔ یہ حال دیکھ کر میرے لارڈ والٹر نے جو ایک اچھا نائٹ (فوجی گھوڑسوار) تھا، ہمیں یوں مخاطب کیا: ''اِس وقت ہماری زندگی کا سب سے بڑا خطرہ پیش آگیا ہے، کیونکہ اگر ہم نے اِن برجیوں کو نہ چھوڑا اور مسلمانوں نے اِن میں آگ لگا دی، تو ہم بھی برجیوں کے ساتھ جل کر خاک ہو جائیں گے۔ لیکن اگر ہم برجیوں کو چھوڑ کر نکل جاتے ہیں تو پھر ہماری بے عزتی میں کوئی شبہہ نہیں کیونکہ ہم اِن کی حفاظت پر مامور کیے گئے ہیں۔ ایسی حالت میں خدا کے سوا کوئی نہیں جو ہمارا بچاؤ کر سکے۔ میرا مشورہ آپ سب لوگوں کو یہ ہے کہ جونہی مسلمان آگ کے بان چلائیں، ہمیں چاہیے کہ گھٹنے کے بل جھک جائیں، اور اپنے نجات دہندہ خداوند سے دعا مانگیں کہ اس مصیبت میں ہماری مدد کرے۔'' چنانچہ ہم سب نے ایسا ہی کیا۔ جیسے ہی مسلمانوں کا پہلا بان چلا، ہم گھٹنوں کے بل جھک گئے اور دعا میں مشغول ہو گئے۔ یہ بان اتنے بڑے ہوتے ہیں، جیسے شراب کے پیپے اور آگ کا جو شعلہ اُن سے نکلتا تھا، اُس کی دم اتنی لمبی ہوتی تھی، جیسے ایک بہت بڑا نیزہ، جب یہ ہماری طرف آتا تو ایسی آواز نکلتی، جیسے بادل گرج رہے ہوں، اُس کی شکل ایسی دکھائی دیتی تھی، جیسے ایک آتشیں اژدہا ہوا میں اُڑ رہا ہے۔ اُس کی روشنی نہایت تیز تھی۔ چھاؤنی کے تمام حصے اس طرح اجالے میں آجاتے جیسے دن نکل آیا ہو۔''

اس کے بعد خود صلیبی افواج کی قیادت کرنے والے بادشاہ لوئس (Louis) کی نسبت یہ فرانسیسی مؤرخ لکھتا ہے:

'ہر مرتبہ جب بان چھوٹنے کی آواز ہمارا ولی صفت پادشاہ سنتا تھا، تو بستر سے اُٹھ کھڑا ہوتا تھا اور روتے ہوئے ہاتھ اُٹھا اُٹھا کر ہمارے نجات دہندہ خدا سے التجائیں

کرتا: مہربان مولیٰ! میرے آدمیوں کی حفاظت کر! میں یقین کرتا ہوں کہ ہمارے بادشاہ کی اِن دعاؤں نے ہمیں ضرور فائدہ پہنچایا۔'

لیکن جس ''فائدہ'' کا ذکر یہ فرانسیسی مؤرخ کر رہا ہے وہ خوش اعتقادانہ وہم سے زیادہ نہ تھا کیونکہ بالآخر کوئی دعا بھی سودمند نہ ہوئی اور آگ کے بانوں نے تمام برجیوں کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ یہ حال تو تیرھویں صدی مسیحی کا تھا لیکن چند صدیوں کے بعد جب پھر یورپ اور مشرق کا مقابلہ ہوا، تو اب صورتِ حال یکسر الٹ چکی تھی۔ اب دونوں جماعتوں کے متضاد خصائص (opposite qualities) اسی طرح نمایاں تھے جس طرح صلیبی جنگ کے عہد میں رہے تھے، اور جو جگہ مسلمانوں کی تھی، اُسے اب یورپ نے اختیار کر لیا تھا۔

اٹھارویں صدی کے اواخر میں جب نپولین نے مصر پر حملہ کیا تو اُس جنگِ اہرام میں مصر کے مسلم مملوک حکمران مراد بک نے جامع ازہر کے علماء کو جمع کر کے اُن سے مشورہ کیا تھا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ (بجائے اِس کے کہ وہ علمائے کرام، مراد بک کو جہاد کرنے کا مشورہ دیتے) اُن علمائے ازہر نے بالاتفاق یہ رائے دی تھی کہ جامع ازہر میں ''صحیح بخاری کا ختم'' شروع کر دینا چاہیے کہ انجاحِ مقاصد کے لیے تیر بہدف ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (جس طرح ہمارے ہاں پاکستان میں مشکلات کے حل کے لیے ختمِ قرآن ہوتا ہے یا کسی کے نوکری لگوانے کے لئے یا بیماری سے شفا کے لئے یا کسی کے مرنے کے بعد چالیسویں پر یا برسی پر ختمِ قرآن کروایا جاتا ہے بالکل اُسی طرح نہایت عقیدت سے جامع ازہر میں ''صحیح بخاری کا ختم'' کروایا گیا)۔ لیکن ابھی ''صحیح بخاری کا ختم''، ختم نہیں ہوا تھا کہ اہرام کی لڑائی نے مصری حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ شیخ عبدالرحمٰن الجبرتی نے اِس عہد کے چشم دید حالات قلمبند کیے ہیں اور یہ بڑے ہی عبرت انگیز ہیں۔ [جولائی 1798ء کی اس جنگِ اہرام

میں مملوک فوجیوں میں سے تقریباً 2000 شہید ہوئے اور تقریباً 5000 مصری کسان شہید ہوئے جبکہ فرانسیسی صلیبی فوج کے صرف 300 افراد ہلاک ہوئے۔]

اسی طرح انیسویں صدی کے اوائل میں جب روسیوں نے بخارا کا محاصرہ کیا تھا تو امیر بخارا نے حکم دیا کہ تمام مدرسوں اور مسجدوں میں ''ختم خواجگان'' پڑھا جائے۔ اُدھر روسیوں کی قلعہ شکن توپیں شہر کا حصار منہدم کر رہی تھیں، اِدھر لوگ ختم خواجگان کے حلقوں میں بیٹھے ''یا مقلب القلوب'' ''یا محول الاحوال'' کے نعرے بلند کر رہے تھے۔ بالآخر وہی نتیجہ نکلا، جو ایک ایسے مقابلہ کا نکلنا تھا، جس میں ایک طرف گولہ بارود ہو، دوسری طرف ختم خواجگان، دعائیں ضرور فائدہ پہنچاتی ہیں؟ مگر انہی کو پہنچاتی ہیں جو عزم و ہمت رکھتے ہیں، بے ہمتوں کے لیے وہ ترکِ عمل اور تعطّلِ قویٰ کا حیلہ بن جاتی ہیں۔''

(بحوالہ: غبارِ خاطر از مولانا ابوالکلام آزادؒ مطبوعہ اسلامی اکادمی، لاہور)

ہمیں یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ عمل صحیح سمت میں ہونا چاہیے۔ صرف عبادات یا دعاؤں سے قوموں کی تاریخ نہیں بدلا کرتی۔ آپ ہجرت کی مثال ہی لے لیں۔ اِس میں جان اور مال کی قربانی دینی پڑتی ہے تب ہی اُس کا اجر تمام عبادات سے کہیں زیادہ بلکہ جہاد کے قریب قریب ہے۔ آج مسلمانوں کا ایک بڑا المیہ یہ ہو چکا ہے کہ انھوں نے اسلام کے احیاء اور سربلندی کے لئے کام کرنا چھوڑ دیا ہے اور صرف نفلی عبادات، ختمِ قرآن اور وظائف کو پکڑ لیا ہے یا پھر دعاؤں کو۔ آج مسلمانوں کے ذہنوں میں فرائضِ دینی کا بہت ہی محدود تصور پایا جاتا ہے۔ ایسے حالات میں اللہ کی مدد کیسے آئے؟ کیونکر آئے؟

اِس سلسلے میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ (وفات 181ھ) کا واقعہ نہایت اہم ہے۔ شیخ عبداللہ بن مبارک نہ صرف عالم، عابد اور زاھد تھے جن کی راتیں عبادت میں گزرتی تھیں

بلکہ وہ ایک عالِم باعمل بھی تھے اور اِس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

(اقبال)

حافظ ابنِ عساکر اپنی تاریخ میں ''سوانح عبداللہ بن مبارک'' کے تحت محمد بن ابراھیم بن ابی سکینة کی ایک روایت بیان کرتے ہیں جو درج ذیل ہے:

قال محمد بن ابراهيم بن ابی سکينة كُنتُ مَعَ عبدالله بن المبارک بِطرسوس، وَكُنّا مُرَابِطِينَ فِي الثغور، فَاَرَادتِ الذَّهاب اِلَي الْحجِّ، وَكَانَ الْفُضَيلِ ابن عيَّاض مَجاوراً عِنْدَ الْكَعْبةِ، مُعْتَكِفاً فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، فَكَتَبَ ابنَ الْمُبَارَک لِاِبْنِ عيَّاض:

يا عابد الحرمين لواَبصرتنا
لعلمت اَنک فِي العبادةِ تلعب
من كان يخضب خده بِدَمُوعِهِ
فنحورنا بدمائنا تتخضّب
أو كان يتعب خيله فی باطل
فخيولنا يوم الصبيحة تتعب
ريح العبير لكم، ونحن عبيرنا
رهج السنابک والغبار الاَطْيَب
ولقد اتانا من مقالِ نَبِيِّنَا
قولٌ صحيحٌ صادقٌ لايكذب

لا یستوی وغبار خیل اللہ فی
أنف امرئ ودُخّان نارٍ تلھب

ھذا کتاب اللہ ینطق بیننا
لیس الشھید بمیت لا یکذب

ترجمہ:

"میں طرطوس کے علاقے میں شیخ عبداللہ بن مبارک کے ساتھ تھا اور ہم ثغور کی سرحدی چوکی پر بطور مجاہدین کے پہرہ دے رہے تھے۔ ایک روز میں نے حج پر جانے کا ارادہ کیا۔ اُس دور میں شیخ فضیل بن عیاض (وفات 189ھ) اپنے وقت کے مشہور عابد تھے اور اُن کا بڑا چرچا تھا۔ وہ کعبے کے مجاور رہتے تھے اور وہیں کئی سالوں سے اُنھوں نے اعتکاف کیا ہوا تھا۔ چنانچہ شیخ علامہ عبداللہ بن مبارکؒ نے مجھے ایک نظم عربی میں لکھ کر دی اور کہا کہ اُس منظوم خط کو میرے دوست شیخ فضیل بن عیاض تک پہنچا دینا۔ اُس منظوم خط میں شیخ عبداللہ بن مبارکؒ نے شیخ فضیل بن عیاض کو لکھا:

- "اے مساجدِ حرمین (کعبۃُ اللہ اور مسجدِ نبوی) میں عبادت کرنے والے، اگر آپ ہمیں دیکھ لیں تو آپ جان لیں کہ آپ عبادت میں صرف مذاق کر رہے ہیں۔
- جو عبادت میں گریہ وزاری کر کے اپنے رخساروں کو آنسوؤں سے تر کرتا ہے وہ جان لے کہ ہم اپنی گردنوں کو اپنے خون سے تر کرتے ہیں۔
- جو اپنے گھوڑوں کو بے مقصد تھکاتا ہے وہ جان لے کہ ہم اپنے گھوڑوں کو جہاد میں تھکاتے ہیں۔
- آپ لوگ (مسجدوں میں بیٹھ کر) صرف خوشبو سونگھتے ہیں جبکہ ہم نیزوں کی چمک اور گرد وغبار کی بو سونگھتے ہیں۔

- ہم تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پہنچی ہے، ایک ایسی بات جو کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔
- اللہ کے راستے میں گھوڑوں کے قدموں سے جو گردوغبار اُٹھتی ہے اور انسان کے ناک میں داخل ہو جاتی ہے، اُس انسان کے ناک میں جہنم کی آگ کا دھواں کبھی داخل نہ ہوگا۔
- یہ اللہ کا قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ شہید مرتے نہیں ہیں اور اللہ کی کتاب کے سچ کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔''

محمد بن ابراھیم کا بیان ہے کہ انھوں نے فضیل بن عیاض سے کعبۃ اللہ میں ملاقات کی اور انھیں علامہ عبداللہ بن مبارک کا خط دیا۔ جب فضیل بن عیاض نے یہ منظوم خط پڑھا تو اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور وہ فرمانے لگے:

''ابوعبدالرحمٰن (عبداللہ بن مبارک) نے سچ کہا ہے اور مجھے مخلصانہ نصیحت کی ہے۔''
(سِیَرُ اَعْلَامِ النُّبَلَاء للذهبي. 412/8)

آپ نے دیکھا کہ عظیم محدث وفقیہ حضرت عبداللہ بن مبارک ؒ نے حضرت فضیل بن عیاض ؒ سے کیا فرمایا؟ اُنھوں نے حرم کے سائے میں بیٹھ کر کی جانے والی عبادت کے بارے میں فرمایا کہ اگر ایک طرف مسلمانوں کی حرمتیں پامال کی جارہی ہوں، خون بہایا جارہا ہو، عزتیں خاک میں ملائی جارہی ہوں اور اللہ کے دین کو جڑ سے اکھاڑنے کی کوششیں زوروشور سے جاری ہوں، تو ایسے میں میدانِ جہاد کا رُخ کرنے کی بجائے حرم میں بیٹھ کر عبادت کرنا اللہ کے دین کے ساتھ ایک سنگین مذاق ہے! جی ہاں! مسلمانوں

کو کفار کے ہاتھوں ذبح ہوتے چھوڑ دینا اور پھر اُن کا لہو بہتے دیکھ کر محض ''لاحول'' پڑھنا، ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' کا ورد کرنا، دور کھڑے ہو کر کفِ افسوس ملنا، مگر اُن کی مدد کے لئے ایک قدم تک نہ اُٹھانا، کبھی کبھار شہیدوں کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کرلینا، اُنھیں خراجِ عقیدت پیش کرلینے کو اُن کے خون کی دیت اور اُن کے قتل کا بدلہ سمجھنا؟ اور پھر وقتی سی گرمی جذبات کے ٹھنڈے پڑنے کے ساتھ ساتھ اُس واقعے کو بھی بھلا دینا، یہ سب اللہ کے دین کے ساتھ کھیل تماشہ نہیں تو اور کیا ہے؟

اللہ کے راستے میں شکست اور فتح میں پوشیدہ حکمتیں

سنت کا لغوی مطلب ہے"طریقہ" یا "مقرر راستہ"۔ اِس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی بعض سنتیں ہیں جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں ہیں۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے لوگ انحراف کر کے سنت کے مخالف عمل کر لیتے ہیں مثلاً سنت میں مردوں کی داڑھی رکھنے کا حکم ہے لیکن لوگ داڑھی کی شیو کرتے ہیں یا رسولِ کریم کے اُمت مسلمہ کی عورتوں کو پردہ کرنے کا حکم دیا لیکن کئی مسلم خواتین، نامحرم مردوں کے سامنے بے پردہ ہو کر سنت کی مخالفت کرتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سال میں صرف دو عیدیں (عید الفطر اور عید الاضحیٰ) مناتے تھے لیکن آج بعض مسلمانوں نے تیسری عید (یعنی عید میلاد النبیؐ ایجاد کر لی ہے یا چوتھی عید (عید الحب) یعنی ویلنٹائن ڈے کا تہوار ایجاد کر لیا ہے، جو دین میں سراسر بدعت ہیں۔

بہ الفاظ سادہ تر، لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی مخالفت کر لیتے ہیں لیکن اللہ کی سنت کے خلاف کچھ کرنا کسی کے بس کی بات نہیں کیونکہ وہ اللہ ہے، سارے جہانوں کا رب۔ جو شخص بھی اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کے خلاف جائیگا وہ آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی چوٹ کھائے گا۔ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴾

(سورہ فاطر: 43)

(تم اللہ کے طریقے میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے اور تم کبھی نہ دیکھو گے کہ اللہ کی سنت کو

اُس کے مقرر راستے سے کوئی طاقت پھیر سکتی ہے۔)

اسی طرح دوسری جگہ فرمایا ہے:

﴿ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلُ وَلَن تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ﴾

(سورہ الفتح: 23)

(یہ اللہ کی سنت ہے جو پہلے سے چلی آرہی ہے اور تم اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے)

جنگوں میں شکست و فتح کے معاملے میں بھی اللہ تعالیٰ کی ایک خاص سنت (Law) ہے اور اُس میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی۔ غزوہ بدر، مسلمانوں اور کفار کے درمیان پہلا معرکہ تھا۔ اُس میں مسلمانوں کو زبردست کامیابی حاصل ہوئی۔ 1000 فرشتوں نے مسلمانوں کی مدد کی جن میں جبرائیل بہ نفسِ نفیس عمامہ پہن کر شامل ہوئے تھے۔ اُس کے بعد غزوہ اُحد میں مسلمانوں کو کفارِ مکہ کے ہاتھوں شکست ہوئی جیسا کہ قرآن میں بیان ہوا ہے۔

إِن يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ وَتِلْكَ الأيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّهُ الَّذِينَ آمَنُواْ وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاء وَاللّهُ لاَ يُحِبُّ الظَّالِمِينَ o وَلِيُمَحِّصَ اللّهُ الَّذِينَ آمَنُواْ وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ o أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُواْ الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّهُ الَّذِينَ جَاهَدُواْ مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَo (سورہ ال عمران: 140-142)

''اِس وقت اگر تمھیں چوٹ لگی ہے تو اس سے پہلے ایسی ہی چوٹ تمہارے مخالف فریق کو بھی لگ چکی ہے۔ یہ تو زمانہ کے نشیب و فراز ہیں جنھیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں۔ تم پر یہ وقت اِس لیے لایا گیا کہ اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میں سچے مومن

کون ہیں اور وہ تم میں سے شہیدوں کو چھانٹ لینا چاہتا تھا کیونکہ ظالم لوگ اللہ کو پسند نہیں ہیں۔ اور وہ اِس آزمائش کے ذریعہ سے مومنوں کو الگ چھانٹ کر کافروں کی سرکوبی کر دینا چاہتا تھا۔ کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے کون وہ لوگ ہیں جو اُس کی راہ میں جانیں لڑانے والے (جہاد کرنے والے) اور اُس کی خاطر صبر کرنے والے ہیں؟"

اِن آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اِس دنیا میں اُس کی یہی سنت ہے کہ کبھی ہار ہے، کبھی جیت ہے، کبھی غم ہے کبھی خوشی ہے، مسلمان اور کافر دونوں کے لیے اللہ کا یہی قانون ہے۔ پھر اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے شکست کی یہ حکمت بیان فرمائی ہے کہ وہ جانچ لے کہ کون سچا مومن ہے اور کون جھوٹا۔ ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرما دیا کہ تم جنت میں جانا آسان سمجھ رہے تھے حالانکہ اللہ نے ابھی ٹیسٹ کر کے دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے اللہ کی راہ میں جانیں لڑانے والے کون ہیں اور حق کے راستے میں تکلیفوں پر صبر کرنے والے کون؟ اسی طرح سورہ محمد میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِيْنَ وَنَبْلُوَ أَخْبَارَكُمْ o

(سورہ محمد: آیت 31)

"ہم ضرور تم لوگوں کو آزمائش میں ڈالیں گے تا کہ تمہارے حالات کی جانچ کریں اور دیکھ لیں کہ تم میں سے مجاہد اور ثابت قدم کون ہے۔"

پنجابی صوفی شاعر اور اسلامی عالم میاں محمد بخشؒ نے حق تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کی اسی جانچ پڑتال کے متعلق فرمایا تھا:

ے کچ وی منکا تے لعل وی منکا اِکو رنگ دوہاں دا
جد صرافاں اگے جاون تے فرق ہزار کوہاں دا

(کانچ اور لعل یاقوت بظاہر ایک جیسے نظر آتے ہیں، اُن کا رنگ بھی ایک جیسا ہوتا ہے لیکن جب صرّاف (Jeweller) کے پاس جاتے ہیں تو وہ بتا دیتا ہے کہ اِن دونوں میں ہزار درجے کا فرق ہے)

اللہ کے راستے میں جدوجہد کرنے میں جو آزمائشیں اور عارضی شکستیں آتی ہیں اُن کی ایک حکمت یہ بھی ہوتی ہے کہ جب ہر طرف اسلام کا غلبہ ہوگا تو ابوجہل کا کردار کیسے بے نقاب ہوگا؟ ولید بن مغیرہ کا فخر اور غرور کیسے ظاہر ہوگا؟ امیہ بن خلف حضرت بلالؓ پر مظالم کیے بغیر اپنی خباثت طبع کیسے ظاہر کر سکے گا؟ برے انسانوں کی شخصیت کے بعض پہلو تب ہی ظاہر ہو سکتے ہیں جب کہ اُن کے ہاتھ میں اقتدار آجائے؟ اگر ایک چور سیاستدان کے پاس اختیار نہیں ہے تو وہ کیسے ملک کے غریب عوام کا پیسہ چوس کر سوئٹزرلینڈ کے بنکوں میں اپنے اکاؤنٹ میں جمع کروا سکے گا؟

مزید برآں، اگر حق اور باطل میں ٹکر نہیں ہوگی تو اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو شہادت کا عظیم مقام اور تحفہ کیسے عطا فرمائے گا؟ جنت الفردوس جو شہیدوں کے لیے بالخصوص تیار کی گئی ہے وہ کیسے اُنھیں ملے گی اور بعض خوش نصیب انسانوں کو بڑے ذی اقتدار بادشاہ کا قرب کیسے مل سکے گا؟

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ ۝ فِي مَقْعَدِ صِدْقٍ عِندَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝

(سورہ القمر:55 ,54)

''نافرمانی سے پرہیز کرنے والے یقیناً باغوں اور نہروں میں ہوں گے، سچی عزت کی جگہ، بڑے ذی اقتدار بادشاہ کے قریب''

آخر شہادت مسجد میں بیٹھ کر صرف ذکر کرنے سے تو حاصل نہیں ہوتی، اُس کے حصول کے لئے قربانی درکار ہے۔ شکست و فتح تو دنیا کی عارضی چیزیں ہیں اصل کامیابی تو سب سے بڑے ذی اقتدار بادشاہ اللہ جل شانہ کا قرب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب صحابیِ رسول حضرت حرام بن ملحانؓ کو ستر قاریوں کے ہمراہ کفار کے قبیلے بنوکلاب کے پاس بھیجا اور اُن کے ایک شخص نے

پیچھے سے آ کر حضرت حرامؓ بن ملحان کے اندر نیزہ پیوست کر دیا تو حضرت حرامؓ نے اپنے خون کو دیکھتے ہی فوراً فرمایا: فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَة (ربِ کعبہ کی قسم، میں کامیاب ہو گیا۔) اِس بات کا اُن کے قاتل پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ بعد میں وہ لوگوں سے پوچھتا پھرتا تھا کہ اِس بات سے حضرت حرام بن ملحان ؓ کی کیا مراد تھی۔ جب بعض لوگوں نے اُسے شہادت کے عظیم مقام کے متعلق بتایا تو بالآخر اِس بات کی وجہ سے اُس قاتل نے اسلام قبول کر لیا۔

غزوہ اُحد کی اُس شکست میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ مسلمانوں کو پتہ چلے کہ وہ دل چھوڑ کر نہ بیٹھ جائیں بلکہ مسلسل اسلام کے غلبے کے لیئے عمل کرتے رہیں چاہے شکست ہو یا فتح کیونکہ:

؎ وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

(اقبال)

لہٰذا سورہ النساء میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ڈھارس بندھائی کہ اُن کی طرح باطل پرستوں کو بھی گزند پہنچ چکی ہے (بدر کی لڑائی میں) اور اُن کا تو کوئی مقصد اور منزل بھی نہیں ہے۔ مسلمانوں کی اصل منزل اور قرارگاہ تو جنت ہے، اُس سے پہلے تو یہ زندگی ہر صورت میں مسلسل جدوجہد ہے:

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا o

(سورہ النساء:104)

"اُس گروہ کے تعاقب میں کمزوری نہ دکھاؤ۔ اگر تم تکلیف اُٹھا رہے ہو تو تمہاری طرح وہ بھی تکلیف اُٹھا رہے ہیں اور تم اللہ سے اُس چیز کے امیدوار ہو جس کے وہ امیدوار نہیں ہیں۔ اللہ سب کچھ جانتا ہے اور وہ حکیم و دانا ہے۔"

غرض کہ غزوہ احد کی شکست ہم مسلمانوں کے لئے دراصل سونے کی کان (Gold Mine)

(Book of Lessons) کی طرح ہے کہ اِس میں بے شمار سنہرے اصول اور سبق پوشیدہ ہیں۔ اِس سے آج کے شکست خوردہ مسلمانوں بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں کہ جن میں سے اکثر مسلمان اپنے دن کا آغاز ہی اللہ کی نافرمانی سے کرتے ہیں۔ رات کو دیر تک کمپیوٹر پر فیس بک یا آن لائن چیٹنگ میں مصروف رہتے ہیں یا ٹی وی یا کیبل پر پروگرام دیکھتے رہتے ہیں اور صبح فجر کی نماز قضا کر دیتے ہیں۔ اگر فجر کی نماز پڑھتے ہیں تو صبح یونیورسٹی یا جاب پر جانے سے پہلے شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی شیو کر کے سنتِ رسول پر سیفٹی پھیر دیتے ہیں۔ اور شیطان سے صبح سویرے ہی شکست کھا جاتے ہیں۔ جس نے صبح سویرے ہی شیطان سے شکست کھائی تو اب اُس کے بقیہ دن کا خدا ہی حافظ ہے!!!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے ایک دستے کو اُحد کے پہاڑ پر تعین کیا اور اُنہیں حکم دیا کہ اگر پرندے بھی ہمیں نوچ کھائیں تو پھر بھی پہاڑی سے نیچے نہیں اُترنا لیکن اُن 50 صحابہ میں سے 40 نے حکم عدولی کر ڈالی اور مالِ غنیمت جمع کرنے کی خواہش میں نیچے اتر آئے۔ اُس وقت حضرت خالد بن ولید نے پہاڑ کے پیچھے سے حملہ کر دیا۔ ستر مسلمان شہید ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود زخمی ہو گئے۔ فتح شکست میں بدل گئی۔

آج مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ صبح کی ابتداء اللہ کی نافرمانی سے کرتے ہیں، مسلمان آج کفار سے اتنے مرعوب ہیں کہ بعض مسلمان نہ صرف دل میں کفار کی عظمت کے قائل ہیں بلکہ بعض تو کفار کے ساتھ مل کر اپنے مسلمانوں کی کمر میں خنجر بھی گھونپتے ہیں۔ بعض مسلمان غیر مسلموں کے لیے مسلمانوں کے خلاف جاسوسی کا کام کرتے ہیں اور اُن کے این جی اوز میں نوکری کر لیتے ہیں تاکہ مسلمانوں کی باتیں اپنے آقا کو اُن کی انگریزی زبان میں ترجمہ کر کے بتا سکیں اور اُس کے بدلے میں پیسے وصول کر سکیں، کبھی وہ دجالی ایجنٹوں کے لیے سیکورٹی کی جاب کرتے ہیں تو کبھی وہ اپنے آقاؤں کو مشکل پہاڑی دروں (mountain terrains) میں راستے بتا کر ملتِ اسلامیہ سے اپنی غداری کا ثبوت دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ قرآن میں

سورۃ النساء میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَتُرِيدُونَ أَن تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا ○ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَن تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ○ (سورۃ النساء: 144,145)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو، مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کو اپنے خلاف صریح حجت دے دو؟ یقین جانو کہ منافق جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں جائیں گے اور تم کسی کو اُن کا مددگار نہ پاؤ گے۔''

لہٰذا مسلمانوں کے خلاف کسی بھی طریقے سے غیر مسلمانوں کا ساتھ دینے والا شخص اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص جب مرے تو اُس کی نماز جنازہ میں شرکت نہیں کرنی چاہیے اور (اگر اُس کے عزیزوں سے جھگڑے فساد کا اندیشہ نہ ہو تو) ایسے شخص کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفنانا بھی نہیں چاہیے۔ بیشک دجال کو غلط سمجھنے کے باوجود دنیاوی فائدوں کے لئے دجال کا ساتھ دینے والوں، دجالی صلیبی فوجوں کے لیے نوکری کرنے والوں اور دجال کے محکموں میں جاب کرنے والوں پر اور اُس کے خلاف نہ اُٹھنے والوں پر اللہ کا غضب نازل ہوگا، چاہے اُن کا ساتھ دینے والا بظاہر کتنا ہی نیک، پانچ وقت کا نمازی اور عبادت کا اہتمام کرنے والا ہو۔ حضرت عمران، حضرت ابن حدیر ابی مجلز سے روایت کرتے ہیں:

''جب دجال آئے گا تو لوگ تین جماعتوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ ایک جماعت اس دجال سے قتال کرے گی، ایک جماعت (میدانِ جہاد سے) بھاگ جائے گی اور ایک جماعت اس کے ساتھ شامل ہو جائے گی۔ چنانچہ جو شخص اس دجال کے خلاف چالیس راتیں پہاڑ کی چوٹی پر ڈٹا رہا، اُس کو (اللہ کی جانب سے) رزق ملتا رہے گا اور ''جو نماز پڑھنے والے'' دجال کی حمایت کریں گے، یہ اکثر وہ لوگ ہوں گے جو بال بچوں والے

ہوں گے، وہ کہیں گے کہ ہم اچھی طرح اِس (دجال) کی گمراہی کے بارے میں جانتے ہیں لیکن ہم (اس سے بچنے کے لیے یا لڑنے کے لیے) اپنے گھر بار کو نہیں چھوڑ سکتے۔ سو جس نے ایسا کیا وہ بھی دجال کے ساتھ ہی شامل ہو گیا۔''

(السنن الوارده فی الفتن۔نعیم بن حماد:جلد6، ص1178و اسنادهٔ صحیح)

ایک دوسری حدیث جو حضرت عبید ابن عمیر اللثیؒ نے روایت کی ہے اُس میں بیان ہوا ہے:

''دجال نکلے گا تو کچھ ایسے لوگ اُس کے ساتھ شامل ہو جائیں گے جو یہ کہتے ہوں گے کہ'' ہم گواہی دیتے ہے کہ یہ (دجال) کافر ہے۔بس ہم تو اِس کے اتحادی (allies) اِس لئے بنے ہیں کہ اُس کے کھانے میں سے کھائیں اور اُس کے درختوں (یعنی باغات) میں اپنے مویشی چرائیں، چنانچہ جب اللہ کا غضب نازل ہو گا تو اُن سب پر نازل ہو گا۔''

(الفتن۔ نعیم بن حماد:جلد2،صفحہ 546)

افسوس کہ آج کے مسلمان میڈیا پر کسی بھی فنکار یا گلوکارہ کے متعلق چھوٹی سے چھوٹی خبر پر بھی تبصرہ اور غور و فکر کرتے ہیں لیکن وہ ان قیامت کے قریب کے متعلق احادیث پر غور نہیں کرتے۔کیا آج بھی ایسا نہیں ہو رہا کہ باطل کو پہچاننے کے باوجود اور تمام عبادات کی بجا آوری کے باوجود بھی مسلمان مالی فائدہ حاصل کرنے کے لیے باطل اور دجالی قوتوں کا ساتھ دے رہے ہیں، اُن کی حمایت کر رہے ہیں یا پھر خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ ایسے حالات میں اللہ کی مدد کیسے آئے؟

ناقصاں راپیر کامل،

کاملاں را رہنما (صلی اللہ علیہ وسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجاہد اعظم تھے ۔آپ کی پوری زندگی اِس کا ثبوت ہے ۔ قرآن نے آپ کی زندگی کے اسی گوشے کا ایک جگہ غزوۂ احد کے ضمن میں ذکر کیا ہے:

وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ۝

(سورہ آل عمران: آیت 121)

''اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم)، مسلمانوں کے سامنے اُس موقع کا ذکر کرو جب تم صبح سویرے اپنے گھر سے نکلے تھے اور احد کے میدان میں مسلمانوں کو جنگ کے لیے جابجا مامور کر رہے تھے۔''

امام الانبیاء رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی باقی مجاہدین کی طرح اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر جہاد کے لیے نکلا کرتے تھے ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ایک یا دو نہیں بلکہ ستائیس (27) جنگیں لڑیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کیا اور اسی جہاد سے آج کے مسلمان جان چھڑا کر بیٹھے ہوئے ہیں ۔

سیدنا عمر بن الخطاب، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلاء کی حدیث بیان کرتے ہیں

کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کے پاس ایک مہینہ تک نہ آنے کی قسم اُٹھائی اور ایک بالاخانے میں اُن سے الگ ہو گئے ۔جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اُس بالاخانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو دیکھا کہ اُس میں صرف ایک چمڑے کا مشکیزہ اور جو کی ایک ڈھیری تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ننگی چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے، چٹائی کی رسیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو پر نشان ڈال دیتے تھے ۔یہ دیکھ کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں آنسو بہانے لگیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ما یبکیک**؟ (تم کیوں روتے ہو؟) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی مخلوق سے منتخب (چنے ہوئے) ہیں اور کسریٰ وقیصر کیسی عیش اور نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں! یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ سرخ تھا ۔فرمانے لگے: **اَو فی شک انت یا ابن الخطاب؟ أولئک قوم عجلت لهم طيّباتهم في الحياة الدنيا**

(کیا تم کسی شک میں ہو کہ اِن لوگوں کی پسندیدہ اور عمدہ چیزیں جلدی دنیوی زندگی ہی میں دے دی گئی ہیں)۔'' (متفق علیہ)

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے:

اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَكُوْنَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْآخِرَة؟

''کیا تو پسند نہیں کرتا کہ وہ نعمتیں ان کے لیے دنیا ہی میں ہوں اور ہمارے لئے آخرت میں ہوں ۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (میں اسے پسند کرتا ہوں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر اللہ تعالیٰ کی تعریف کرو۔

قرآن کی صرف ایک ہی سورت کا نام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ہے یعنی ''سورہ محمد'' لیکن اِس سورت کا دوسرا نام ''سورہ القتال'' بھی ہے کیونکہ اِس سورت کا

مرکزی موضوع ہی جہاد فی سبیل اللہ ہے اور یہی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام زندگی کا مشن تھا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بارے میں حدیث میں فرمایا: " اَنَـا نَبِـی اَلْـمَلْحَمَۃ" (میں جنگیں کرنے والا نبی ہوں ۔) [شرح البخاری لابن الملقن واسنادۂ صحیح] کتنے افسوس کی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام عمر کی مجاہدانہ زندگی کے اِس گوشے سے آج کے جہاد سے بھاگنے والے سہل پسند مسلمانوں نے تو کوئی سبق نہ لیا لیکن اسرائیل کی وزیراعظم گولڈا میئر (Israel's Prime Minister Golda Meir) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام عمر کی مجاہدانہ زندگی سے بڑے کامیاب سبق اخذ کیے ۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف کاملوں کے لئے پیرِ کامل تھے بلکہ ناقصوں کے لئے بھی راہنما تھے ۔

یہ 1970 ء کے زمانے کی بات ہے جبکہ گولڈا میئر اسرائیل کی وزیراعظم تھی ۔ گولڈا میئر نے اپنے ملک کے لئے اسلحہ خریدنے کے لئے امریکی اسلحہ کمپنی کے سربراہ سے ملاقات کی اور ہتھیاروں کی خریداری کا سودا طے کیا۔اگلے دن وزیراعظم گولڈا میئر نے معاہدے کی تفصیلات کابینہ کے سامنے رکھیں تو کابینہ نے اُس معاہدے کو قبول کرنے سے انکار کردیا ۔ اسرائیلی کابینہ نے انکار کی وجہ یہ بتائی کہ اگر اُن کا ملک اتنے مہنگے ہتھیار خریدے گا تو اُن کی قوم کو برسوں تک ایک وقت کے کھانے پر اکتفا کرنا پڑے گا۔اسرائیلی وزیراعظم گولڈا میئر نے کابینہ کے سامنے اپنے جوابی دلائل دیتے ہوئے اُن یہودی کابینہ کے ممبران کو سمجھایا کہ اِن ہتھیاروں کی بدولت اگر اسرائیل عربوں کے خلاف جنگ جیت گیا تو دنیا اُسے فاتح قرار دیگی ۔کوئی یہ نہیں دیکھے گا کہ فاتح قوم نے کتنی فاقہ کشی کی ، دن میں کتنی بار کھایا اور کیا کچھ کھایا ، فاتح صرف فاتح ہوتا ہے ۔ بالآخر اسرائیلی وزیراعظم گولڈا میئر نے اپنے دلائل سے کابینہ کو قائل کرلیا ۔پھر اُسی معاہدے کے تحت خریدے گئے مہنگے ترین اسلحہ سے اسرائیل نے 1973 ء میں عربوں سے جنگ جیت لی ۔

یہ جنگ جیتنے کے کچھ عرصہ بعد گولڈا میئر سے واشنگٹن پوسٹ کے اخباری نمائندے نے ایک انٹرویو میں پوچھا کہ اسلحہ کی خریداری کیلئے اُن کے ذہن میں دلائل کیسے آئے؟ اسرائیلی وزیراعظم گولڈا میئر کا جواب چونکا دینے والا تھا جو ہم مسلمانوں کی آنکھیں کھولنے کیلئے کافی ہے۔ اسرائیلی وزیراعظم گولڈا میئر نے واشنگٹن پوسٹ کے نمائندے کو جواب دیا کہ ''میں نے یہ استدلال اپنے دشمنوں یعنی مسلمانوں کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے لیا تھا۔ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا وصال ہوا تو اُن کے گھر میں چراغ کیلئے تیل خریدنے کی رقم بھی نہیں تھی۔ اُن کی اہلیہ (حضرت عائشہؓ) نے اُن کی زرہ بکتر رہن رکھ کر تیل خریدا۔ اُس وقت بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حجرے کی دیواروں پر نو (9) تلواریں لٹک رہی تھیں۔'' گولڈا میئر نے مزید بتایا: ''میں نے جب یہ واقعہ پڑھا تو میں نے سوچا کہ دنیا میں کتنے لوگ ہوں گے جو مسلمانوں کی پہلی ریاست کی کمزور اقتصادی حالت کو جانتے ہوں گے، لیکن آج یہ بات پوری دنیا جانتی ہے کہ مسلمان آدھی دنیا کے فاتح ہیں لہٰذا میں نے فیصلہ کیا کہ اگر مجھے اور میری قوم کو برسوں بھوکا رہنا پڑے، مسلمانوں کی طرح پختہ مکانوں کی بجائے خیموں میں زندگی گزارنی پڑے، پھر بھی ہم اسلحہ خریدیں گے اور فاتح کا اعزاز پائینگے، اُن مسلمانوں کی طرح جنہوں نے آدھی دنیا فتح کی لیکن آج یہ خود اپنی ہی تاریخ کو بھلا چکے ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ورثے میں اپنی امت کے لیے جنگی اسلحے کے علاوہ اور کچھ نہیں چھوڑا تھا۔ انہی کے ذریعے انہیں ایسی معاشی ترقی حاصل ہوئی تھی کہ ان میں زکوٰۃ لینے والا کوئی نہیں۔ حالانکہ جزیرۃ العرب میں نہ زراعت تھی نہ فیکٹریاں تھیں۔ افسوس کہ ہمارے مسلم حکمرانوں کی اکثریت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اسرائیلی وزیراعظم گولڈا میئر جتنا بھی علم نہیں رکھتی۔ ہم تو اُس رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہیں کہ جن کا فرمان ہے:

بُعِثْتُ بَيْنَ يَدِيْ السَّاعَةِ بِالسَّيْفِ حَتّٰى يُعْبَدَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا

شَرِیکَ لَهُ وَجُعِلَ رِزْقِي تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِي

(سیر أعلام النبلاء، التمهيد، مسند احمد)

''مجھے تلوار دیکر قیامت تک کے لئے بھیجا گیا ہے حتیٰ کہ ایک اللہ کی عبادت کی جانے لگے اور میرا رزق میرے نیزے کے سائے میں رکھا گیا ہے۔''

اِس حدیث کو مُسند احمد کی تخریج میں (7/122) میں مصر کے محدث احمد شاکر نے صحیح کی درجہ دیا ہے۔ امام الذهبی نے سیر أعلام النبلاء (15/509) میں اِس حدیث کو صحیح الاسناد قرار دیا ہے اور شیخ الالبانی نے ارواء الغلیل (5/109) میں اِس حدیث کو حسن کی درجہ دیا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں سیدنا عمرو ابن الحارث رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی موت کے وقت دینار درہم غلام لونڈی اور کوئی چیز نہیں چھوڑی البتہ ایک سفید خچر چھوڑا تھا جس پر سوار ہوتے تھے، اپنے ''ہتھیار'' چھوڑے تھے اور کچھ زمین تھی جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافروں کے لیے بطور صدقہ وقف کردیا تھا۔'' (رواہ البخاری) یہی نہیں بلکہ محدثین نے صراحت سے بیان فرمایا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے جارہے تھے تو حجرہ مبارک میں جلنے والے چراغ کا تیل بھی ہمسائیوں سے اُدھار لیا گیا تھا لیکن اُس حالت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مبارک کی دیواروں پر نو (9) تلواریں اور زرہ لٹک رہی تھیں۔ یہ جہادی ساز و سامان اُمتِ مسلمہ کو ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ورثہ میں ملا لیکن آج اسی ورثہ سے دست برداری اور اعراض برتنے کی ریت چل نکلی ہے اور ڈھول تماشوں کے ذریعے عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار کیا جارہا ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے عظیم ترین سنت جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے دینِ اسلام کا نفاذ ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانِ اطہر سے فرمادیا ہے:

أَقْرَبُ النَّاسِ مِنْ دَرَجَةِ النُّبُوَّةِ أَهْلُ الْعِلْمِ وَ أَهْلُ الْجِهَاد

(الفقیہ و المتفقہ، الخطیب البغدادی)

''انبیاء کے قریب ترین لوگ علماء اور مجاہدین ہیں''۔

[اِس حدیث کو امام الغزالی نے ''احیاء العلوم الدین'' میں اور ابو نعیم نے بأسناد عبداللہ بن عباس ؓ بھی روایت کیا ہے لیکن محدث الخطیب البغدادی کی الحق بن عبداللہ سے کی گئی روایت (الفقیہ والمتفقہ، جلد 1، صفحہ 35، مطبوعہ دار ابن جوزی، 1417ھجری) زیادہ قوی ہے۔]

عہد حاضر کے نام نہاد مسلمان حکمران اور سیاستدان، دشمن کے آرڈر پر جنگی تیاری کو دہشت گردی قرار دیتے ہیں اور دعویٰ یہ کرتے ہیں (اور وہ اپنے دعوے میں سچے بھی نہیں) کہ ہمیں اقتصادی ترقی حاصل کرنے پر اپنی تمام قوت صرف کرنی چاہئے۔ تاریخ اسلامی اس امر پر شاہد ہے کہ جہاد اور سامانِ جنگ کے ذریعے جزیرۃ العرب میں مال و زر کی ایسی فراوانی ہوئی تھی کہ کوئی زکوۃ لینے والا نہیں ملتا تھا۔ عجیب بات ہے کہ موجودہ دور کے مسلمان ہتھیاروں پر خرچ کرنے اور انہیں تیار رکھنے کو رجعت پسندی اور عیب سمجھتے ہیں جس کا واضح طور پر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے:

وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللهِ وَعَدُوَّكُمْ ۝ (سورہ الانفال:60)

''دشمنوں کے مقابلے کے لیے اپنی قوت اور گھوڑے (جنگی ساز و سامان) تیار رکھو، اِس سے تم اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن کو خوفزدہ کرو گے۔''

اُمت مسلمہ کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ مسلمانوں کی طویل عرصہ کی

پٹائی اور برطانوی استعمار کے ہاتھوں غلامی کے بعد عالمی صلیبی صہیونی اتحاد کو آج جس شکست کا سامنا ہونا شروع ہوا ہے وہ اِسی فریضۂ جہاد کے اِحیاء کا نتیجہ ہے جس کے ذریعے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکینِ مکہ کی قوت توڑ دی تھی اور جس کے ذریعے آخر کار عیسیٰ علیہ السلام واپس آ کر دجال اور دجالی تہذیب کو فیصلہ کن شکست دیں گے۔ پس دین کو مضبوطی سے تھامنا اور انبیاء علیہم السلام والے اِس راستے پر چلنا ہی امت کے لیے راہِ نجات ہے۔

حضرت کعبؓ بن مالک کی کہانی، اُن کی اپنی زبانی

سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت جلیل القدر صحابی تھے۔ اُن کی توبہ کا قصہ جس کی طرف قرآن میں بھی اشارہ کیا گیا ہے بہت بڑا دلچسپ ہے اور اپنے اندر بہت سے سبق لئے ہوئے ہے۔ صحیح بخاری میں غزوات کے بیان میں یہ حدیث بیان ہوئی ہے اور جس باب میں یہ حدیث بیان ہوا اُس کا عنوان ہے: ''سیدنا کعب بن مالک کی حدیث اور اللہ کے اُس قول ''اور تین شخصوں کے حال پر بھی جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا'' (سورۃ التوبہ 118) کے بیان میں (حدیث نمبر: 1700)۔ حدیث میں مکمل بیان ہوا واقعہ درج ذیل ہے:

سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اُن تمام لڑائیوں میں شریک رہا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑیں، سوائے غزوہ تبوک اور غزوۂ بدر کے جن میں مَیں شریک نہ ہو سکا، لیکن غزوۂ بدر میں شریک نہ ہونے والوں میں سے کسی پر بھی عتاب نہیں ہوا تھا۔ غزوۂ بدر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قریش کا قافلہ لوٹنے کی نیت سے تشریف لے گئے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں اور اُن کے دشمنوں کو اچانک، بغیر کسی طے شدہ منصوبے کے آمنے سامنے کر دیا (اور لڑائی ہو گئی) اور یقیناً میں لیلۃ العقبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا (جس رات مدینہ سے 72 نفوس نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے ہاتھ پر اسلام لانے کی بیعت کی اور آپ کو مدینہ ہجرت کر کے آجانے کی دعوت دی) کہ جب ہم نے اسلام پر قائم رہنے کا مضبوط قول وقرار کیا تھا اور میں لیلۃ العقبہ پر جنگ بدر کو ہرگز ترجیح نہ دوں گا اگر چہ لوگوں میں جنگ بدر کی فضیلت زیادہ مشہور ہے۔

غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے کا یہ قصہ ہوا کہ میں ایسا تندرست و طاقتور اور مالدار کبھی نہ تھا (جیسا میں اُس وقت تھا) جبکہ میں اُس غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گیا اور اللہ کی قسم! اِس سے پہلے میرے پاس کبھی دو اونٹنیاں جمع نہیں ہوئیں لیکن اِس غزوہ کے وقت میرے پاس دو اونٹنیاں موجود تھیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ یہ تھا کہ جب کسی جنگ کا ارادہ کرتے تو اُس کو صاف نہ بیان فرماتے بلکہ گول گول ایسا فرماتے کہ لوگ کوئی دوسرا مقام سمجھیں۔ جب اِس لڑائی کا وقت آیا تو اتفاق سے سخت گرمی تھی اور دور دراز سفر کا سامنا تھا۔ صحرائی راستے کا سفر اور دشمنوں کی تعداد کثیر تھی، اِس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو صاف صاف بتادیا کہ ہم تبوک جانا چاہتے ہیں تا کہ وہ اچھی طرح لڑائی اور سفر کا سامان درست کرلیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف اپنا ارادہ مسلمانوں سے بیان کردیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمان بکثرت تھے اور کوئی رجسٹر وغیرہ نہ تھا کہ جس میں اُن کے نام محفوظ ہوتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس لڑائی کا اُس وقت قصد کیا جب درختوں کا میوہ پک گیا تھا اور سایہ اچھا معلوم ہوتا تھا (یعنی سخت گرمی تھی)۔ بہرحال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اور دیگر مسلمانوں نے بھی اِس لڑائی کا سامان تیار کرنا شروع کیا، میں بھی ہر صبح کو گھر سے نکلتا کہ اُن کے ساتھ سفر کا سامان تیار کروں پھر خالی لوٹ آتا اور کچھ تیاری نہ کرتا، میں اپنے دل میں کہتا ہوں کہ میں تو کسی بھی وقت اپنا سامان

تیار کرسکتا ہوں (جلدی کیا ہے)۔اسی طرح دن گزرتے رہے اور لوگوں نے محنت مشقت اٹھا کر اپنا اپنا سامان تیار کرلیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی مسلمان ایک صبح کو روانہ ہوگئے اور میں نے ابھی تک کچھ سامان نہ کیا تھاتو میں نے کہا کہ میں اُن کے بعد ایک دو روز میں سامان تیار کرلوں گاپھر اُن سے راستہ میں جاملوں گا۔جب وہ روانہ ہوگئےتو دوسری صبح کو میں نے سامان تیار کرنا چاہا لیکن اُس روز بھی خالی لوٹ آیا اور کوئی تیاری نہ کی، پھر تیسری صبح کو بھی ایسا ہی ہوا کہ خالی لوٹ آیا اور کوئی تیاری نہ کی۔ میرا برابر یہی حال رہا (کہ آج نکلتا ہوں کل نکلتا ہوں) اور ادھر سب لوگ جلدی جلدی سفر کرتے دور نکل گئے۔میرا کئی بار ارادہ ہوا کہ میں بھی کوچ کروں اور اُن سے مل جاؤں اور کاش! میں ایسا کرتا مگر تقدیر میں نہ تھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوچ کرجانے کے بعد مدینہ میں جب میں گھر سے نکلتا اور لوگوں سے ملتا تو میں منافقوں،معذور اور ضعیف و ناتواں آدمیوں سے ملتا تو مجھے اِس سے رنج ہوتا۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے راستہ میں کہیں یاد نہ کیا یہاں تک کہ تبوک میں پہنچ گئے۔ پھر تبوک پہنچ کر (ایک مرتبہ) لوگوں کے درمیان بیٹھے ہوئے فرمایا:''یہ کعب نے کیا کردیا کہ وہ (اِس جہاد میں) نہیں آیا؟'' بنی سلمہ کے ایک شخص نے کہا کہ یارسول اللہ! اُس کو اُس کے اچھے لباس اور حسن و جمال پر غرور نے آنے سے روکا۔یہ سن کر سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے شخص!تو نے بہت برا کیا،اللہ کی قسم! یارسول اللہ! ہم کعب بن مالک کے متعلق سوائے بہتری کے اور کوئی بات نہیں جانتے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوگئے۔

سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب مجھے یہ خبر ملی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آرہے ہیں تو میرا غم تازہ ہوگیا اور مجھے خیال ہوا کہ کوئی ایسا حیلہ

سوچنا چاہیے کہ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ سے بچ جاؤں اور اس بات پر عزیزوں میں سے عقلمند لوگوں سے مشورہ بھی لیا۔ جب یہ خبر ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے قریب آگئے تو یہ سارے جھوٹے خیالات میرے دل سے جاتے رہے اور میں نے یقین کرلیا کہ میں جھوٹ بولنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ سے نہ بچ سکوں گا تو میں نے سچ بولنے کا فیصلہ کرلیا۔ صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں داخل ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ جب سفر سے تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں جاتے اور دو رکعت نماز پڑھتے۔ پھر لوگوں سے ملنے کے لیے بیٹھتے، اِس عمل سے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہو چکے تو اُس وقت جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے، انھوں نے آنا شروع کیا اور (جھوٹے) عذر (حیلے بہانے) بیان کیے اور قسمیں اٹھائیں، یہ لوگ تقریباً اسی (80) سے کچھ زائد تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے حیلوں اور بہانوں کو تسلیم کرلیا، اُن سے بیعت لی اور اللہ سے اُن کی مغفرت چاہی اور اُن کے دل کے بھیدوں کو اللہ کے سپرد کر دیا۔ میں بھی حاضر ہوا اور السلام علیکم کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے مگر جیسے غصہ میں کوئی آدمی مسکراتا ہے پھر فرمایا: ''یہاں آؤ۔ میں سامنے جا کر بیٹھا تو فرمایا: ''تو کیوں پیچھے رہ گیا تو نے تو سواری بھی خرید لی تھی؟'' میں نے عرض کی کہ کیوں نہیں (بیشک میرے پاس سواری موجود تھی) اللہ کی قسم! بیشک اُس وقت اگر میں کسی دنیا دار شخص کے سامنے بیٹھا ہوتا تو باتیں بنا کر اُس کے غصے سے بچ جاتا کیونکہ میں اچھا مقرر بھی ہوں مگر اللہ کی قسم! میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر آج میں جھوٹ بول کر آپ کو خوش کرلوں تو کل اللہ تعالیٰ (اصل حقیقت کھول کر) پھر آپ کو مجھ پر غصہ کر دے گا اور اگر میں آپ کو سچ بات بتا دوں، گو اِس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سچ بولنے کی وجہ سے مجھ پر غصہ کریں گے مگر آئندہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی مجھ کو امید تو رہے گی۔ چنانچہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا: ''اللہ کی قسم! میرے پاس کوئی بہانہ، عذر نہیں ہے، اللہ کی قسم! زور،

طاقت،قوت، دولت سب میں کوئی میرے برابر نہ تھا اور میں یہ سب چیزیں ہوتے ہوئے پیچھے رہ گیا''۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:''اس نے بالکل سچ کہا۔''اور مجھے حکم دیا:''جاؤ جب تک تمھارے بارے میں اللہ کوئی حکم نہ نازل کردے۔''میں اٹھ کر چلا تو میرے ساتھ قبیلہ بنی سلمہ کے چند آدمی بھی اُٹھ کر میرے پیچھے آئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! ہم نے تم سے ایسا کوئی قصور سرزد ہوتے نہیں دیکھا اور دیگر منافقوں کی طرح اگر تو بھی کوئی بہانہ کرتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تیرے قصور کے لیے کافی ہوتی۔ اللہ کی قسم! وہ برابر مجھے لعنت ملامت کرتے رہے یہاں تک کہ اُن کی باتوں سے میرے دل میں آیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوٹ کر چلوں اور اپنی اگلی بات (گناہ کے اقرار) کو جھٹلا کر کوئی بہانہ نکالوں، پھر میں نے اُن سے پوچھا کہ اور بھی کوئی ہے جس نے میری طرح گناہ کا اقرار کیا ہو؟ اُنھوں نے کہا ہاں دو آدمی ہیں جنھوں نے تیری طرح اقرار کیا ہے اور ان سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا جو تجھ سے فرمایا ہے۔ میں نے پوچھا کہ وہ دو شخص کون کون سے ہیں؟ انھوں نے کہا مرارہ بن الربیع العمری اور ھلال بن امیہ واقفی رضی اللہ عنھم۔ اُنھوں نے ایسے دو نیک شخصوں کا بیان کیا جو بدر کی لڑائی میں شریک ہو چکے تھے اور جن کے ساتھ رہنا مجھے اچھا معلوم ہوا۔ جب انھوں نے ان دو شخصوں کا بھی نام لیا تو (مجھے تسلی ہوگئی اور) میں چل دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے رہ جانے والوں میں خاص کر ہم تینوں سے دوسرے آدمیوں کو بولنے سے منع فرما دیا تو ہم سے سب آدمی بچنے لگے (کوئی بات تک نہ کرتا) اور بالکل ناآشنا سے ہوگئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے زمین (آسمان) بدل گئے، وہ زمین ہی نہ رہی (جس پر ہم رہتے تھے) اسی حالت میں پچاس راتیں

گزریں ۔مرارہ اور ہلال رضی اللہ عنہ دونوں اپنے اپنے گھروں میں پڑے روتے رہے اور میں ایک جوان اور مضبوط آدمی تھا، میں باہر نکلتا اور مسلمانوں کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھتا اور بازاروں میں برابر آتا جاتا تھا لیکن مجھ سے کوئی بات نہ کرتا اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوکر بیٹھتے تو میں جا کر سلام کرتا اور غور سے دیکھتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے میرے سلام کے جواب میں کچھ لب مبارک ہلے یا نہیں اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نماز پڑھنے لگتا اور ترچھی نظروں سے دیکھتا تو نماز کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف متوجہ ہوتے اور (نماز کے بعد) جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتا تو منہ پھیر لیتے ۔

اسی طرح ایک مدت گزری اور لوگوں کی اجنبیت زیادہ بڑھ گئی تو ایک روز میں چلا اور ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے باغ کی دیوار پر چڑھا، وہ میرے چچازاد بھائی تھے اور اُن سے مجھے بہت محبت تھی ۔میں نے اُنھیں سلام کیا تو اللہ کی قسم! اُنھوں نے بھی جواب نہ دیا ۔میں نے کہا اے ابو قتادہ! تجھے اللہ کی قسم! کیا تو نہیں جانتا کہ مجھے اللہ ورسول کے ساتھ کتنی محبت ہے؟وہ خاموش ہورہے ۔میں نے پھر قسم دے کر دوبارہ یہی کہا لیکن وہ خاموش رہے پھر تیسری بار قسم دے کر یہی کہا تو اُس نے یہ کہا کہ اللہ اور اُس کا رسول خوب جانتے ہیں ۔اُس وقت میرے آنسو ٹپک پڑے اور میں پیٹھ موڑ کر دیوار پر چڑھ کر وہاں سے چلا آیا۔

(سیدنا کعب رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ جب میں بازار میں جارہا تھا تو اتنے میں ملک شام کا ایک عیسائی کسان ملا جو مدینہ میں اناج فروخت کرنے لایا تھا، وہ کہہ رہا تھا کہ لوگو! مجھے کعب بن مالک کا بتلاؤ ۔لوگوں نے اُسے بتلانے کو میری طرف اشارہ کیا، جب وہ میرے پاس آیا تو اُس نے غسان کے بادشاہ

کا ایک خط مجھے دیا، اُس میں یہ لکھا تھا: ''امابعد! ہم نے سنا ہے کہ تمہارے پیغمبر (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے تم سے بدسلوکی کی ہے اور اللہ نے تمہیں ایسا ذلیل نہیں بنایا ہے اور نہ ہی بیکار (تم تو کام کے آدمی ہو) تم ہمارے پاس چلے آؤ، ہم بڑی خاطر سے پیش آئیں گے۔'' میں نے پڑھ کر خیال کیا کہ یہ بھی اللہ کی طرف سے امتحان ہے میں نے اسی وقت اُس خط کو آگ کے تندور میں جھونک دیا (اور جلا دیا)۔

ابھی پچاس راتوں میں سے چالیس راتیں گزری تھیں کہاچانک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھیجا ہوا ایک آدمی آیا اور کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ تم اپنی بیوی سے الگ رہو۔ میں نے پوچھا کہ کیا اُسے طلاق دے دوں یا کیا کروں؟ اُس نے کہا نہیں، بصرف اُس سے الگ رہو، تعلقات زوجیت ادا نہ کرو۔ میرے دونوں ساتھیوں کو بھی یہی حکم دیا گیا۔ میں نے اپنی بیوی سے کہہ دیا کہ تم اپنے میکے چلی جاؤ اور وہیں رہو جب تک کہ اللہ کی طرف سے کوئی حکم نازل نہ ہو۔ (چنانچہ وہ اپنے میکے چلی گئی)

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سیدنا ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کی بیوی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ یارسول اللہ! ہلال بن امیہ بہت ضعیف (بوڑھا اور کمزور) آدمی ہے اور اُس کی خدمت کرنے والا کوئی نہیں، اگر میں اُس کی خدمت کروں تو کیا آپ اُس کو برا سمجھتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں! بلکہ تعلقاتِ زوجیت نہ کرنا تو اُس نے کہا کہ اللہ کی قسم! جس روز سے آپ کا عتاب ہوا ہے، سوائے رونے کے اور کچھ کرتا ہی نہیں۔ (پھر کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) مجھ سے بھی میرے بعض عزیزوں نے کہا کہ اگر تم بھی اپنی بیوی کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگو (کہ وہ تمہاری خدمت کرتی رہے) تو مناسب ہے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال بن امیہ کی

بیوی کو اجازت دی (تمہیں بھی اجازت دیں گے)۔ میں نے کہا کہ اللہ کی قسم! میں تو کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس بات کی اجازت نہ مانگوں گا کیونکہ مجھے معلوم نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیا فرمائیں (اجازت دیں یا نہ دیں) اور میں تو جوان آدمی ہوں۔

اُس کے بعد دس (10) راتیں اور گزریں، اب پچاس (50) راتیں پوری ہوگئیں، اُس وقت سے جب سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ہم سے کلام کرنے کی ممانعت فرمادی تھی، پچاسویں رات کی صبح کو جب میں فجر کی نماز پڑھ کر اپنے گھر کی چھت پر تھا، اسی حالت میں کہ میں بیٹھا ہوا تھا اور میری جس کیفیت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے بھی (سورۃ توبہ: 117 میں) کہا ہے میں اپنی زندگی سے تنگ آگیا تھا اور زمین بھی اتنی کشادہ ہونے کے باوجود میرے اوپر تنگ ہوگئی تھی، کہ اتنے میں میں نے ایک پکارنے والے (سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ) کی آواز سنی جو سلع (نامی) پہاڑ پر چڑھ کر بلند آواز سے پکار رہے تھے کہ کعب بن مالک! خوش ہو جاؤ۔ یہ سنتے ہی میں سجدہ میں گر پڑا اور مجھے یقین ہوگیا کہ اب میری مشکل دور ہوگئی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز کے بعد لوگوں کو اطلاع دی کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارا قصور معاف کردیا ہے۔ تو اب لوگ بشارت دینے کے لیے (جوق درجوق) میرے پاس اور میرے دونوں ساتھیوں (مرارہ اور ہلال رضی اللہ عنہم) کے پاس جانے لگے۔ ایک شخص (سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ) گھوڑا دوڑاتے ہوئے میرے پاس آئے اور اسلم قبیلے کا ایک شخص دوڑتا ہوا پہاڑ پر چڑھ گیا اور پہاڑ والے کی آواز مجھے گھوڑے والے کی آواز سے جلد پہنچی، جب یہ شخص جس کی بشارت دینے کی آواز مجھے پہنچی تھی میرے پاس آیا تو میں نے (خوشی میں) اپنے کپڑے اتار کر اسے پہنا دیے۔ واللہ! اُس روز میرے پاس یہی دو کپڑے تھے اور میں نے (ابو قتادہ

سے) دو کپڑے مانگ کر پہنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلا۔ راستہ میں لوگ جوق در جوق ملتے اور مجھے توبہ قبول ہو جانے کی مبارکباد دیتے اور کہتے کہ اللہ کی معافی تم کو مبارک ہو۔

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہیں، لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد ہیں، پس مجھے دیکھتے ہی سیدنا طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ جلدی سے اُٹھے اور مصافحہ کیا اور مجھے مبارکباد دی۔ اللہ کی قسم! اُن کے سوا مہاجرین میں سے اور کسی نے اُٹھ کر مجھے مبارکباد نہیں دی اور میں اُن کا یہ احسان کبھی بھولنے والا نہیں۔ سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو (میں نے دیکھا کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک خوشی سے جگمگا رہا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کعب تجھے اُس دن کی بشارت ہو جو اُن سب دنوں میں سب سے بہتر ہے، جب سے تیری ماں نے تجھ کو جنا۔'' سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! یہ بشارت آپ کی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے؟ تو فرمایا: ''نہیں، بلکہ اللہ کی طرف سے۔'' اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خوش ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ چاند کی طرح روشن ہو جاتا اور ہم لوگ اُس کو پہچان لیتے۔ جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھا تو میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! میں چاہتا ہوں کہ اپنی توبہ کی قبولیت کے شکریہ میں اپنا سارا مال اللہ کی راہ میں خیرات کر کے اللہ اور اس کے رسول کو دے دوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کچھ مال خیرات کرو اور کچھ اپنے لیے رہنے دو، وہ تمہارے لیے بہتری کا ذریعہ ہے۔'' میں نے عرض کی کہ میں اپنا خیبر کا حصہ اپنے لیے رہنے دیتا ہوں اور باقی خیرات کرتا ہوں۔ پھر عرض کی کہ یا رسول اللہ! بیشک میرے سچ کی

ہی وجہ سے اللہ نے مجھے نجات دی اور میری توبہ میں یہ بھی ہے کہ جب تک زندہ رہوں گا کبھی جھوٹ نہ بولوں گا اور اللہ کی قسم! میں نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی آزمائش میں سچ بولنے کی وجہ سے کسی مسلمان پر اتنا فضل کیا ہو جتنا مجھ پر کیا ہے۔ جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس معاملہ میں سچ سچ عرض کردیا اُس وقت سے آج کے دن تک میں نے کبھی قصداً جھوٹ نہیں بولا اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ باقی زندگی میں بھی مجھے جھوٹ سے محفوظ رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۃ توبہ کی یہ آیات (117،118) نازل کیں، ''اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حال پر توجہ فرمائی......اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچ بولنے والوں کے ساتھ رہو۔'' اللہ کی قسم میں تو اسلام لانے کے بعد سے اللہ تعالیٰ کا کوئی احسان اپنے اوپر اِس سے بڑھ کر نہیں سمجھتا کہ اُس نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سچ بولنے کی توفیق دی اور جھوٹ سے بچایا۔ اگر میں جھوٹ بولتا تو دوسرے لوگوں (منافقوں) کی طرح جنھوں نے جھوٹ بولا، تباہ ہو جاتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے جب وحی نازل کی تو اُن جھوٹوں کے لیے ایسا برا لفظ اتارا کہ ویسا برا لفظ کسی کے لیے نہیں اتارا۔ فرمایا: ''اب جب تم لوٹ کر آئے تو یہ لوگ اللہ کی (جھوٹی) قسمیں کھائیں گے......'' آیت تک (سورۃ توبہ:95،96) سیدنا کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم تینوں آدمیوں کا حکم اُن لوگوں کے حکم سے ملتوی رکھا گیا جنھوں نے جھوٹی قسمیں کھائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول کرلیا اور اُن سے تجدید بیعت کی اور اللہ سے اُن کے لیے مغفرت چاہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے بارے میں تاخیر کی یہاں تک کہ اللہ نے حکم کیا۔ اسی لیے اللہ نے (قرآن میں) یہ فرمایا:

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰى إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ

بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنفُسُهُمْ وَظَنُّوا أَن لَّا مَلْجَأَ مِنَ اللهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوا إِنَّ اللهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ○

''اور اُن تین شخصوں کو (معاف کیا) جو پیچھے رہ گئے۔ جب زمین اپنی ساری وسعت کے باوجود اُن پر تنگ ہو گئی اور اُن کی اپنی جانیں بھی اُن پر بار ہونے لگیں اور انھوں نے جان لیا کہ اللہ سے بچنے کے لیے کوئی جائے پناہ خود اللہ ہی کے دامنِ رحمت کے سوا نہیں ہے، تو اللہ نے اپنی مہربانی سے اُن کی طرف پلٹا تا کہ وہ اُس کی طرف پلٹ آئیں، یقیناً وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔'' (سورۃ توبہ: 118)

اور اِس آیت میں پیچھے رہ جانے والوں سے یہی مراد ہے کہ ہمارے بارے میں تاخیر کی گئی اور ہم ڈھیل میں ڈال دیے گئے، یہ مراد نہیں کہ جہاد سے پیچھے رہ گئے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اُن لوگوں کے پیچھے رہے جنھوں نے قسمیں کھا کر عذر بیان کیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے عذر قبول کر لیے۔''

(صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب حدیث کعب بن مالک، حدیث نمبر 4156)

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی کہانی سے حاصل ہونے والے سبق

حضرت کعب بن مالک ؓ کی اوپر بیان کی گئی کہانی میں اُمتِ مسلمہ کے لیے سیکھنے کے بہت سے اسباق (lessons) ہیں۔ یہ واقعہ 9 ہجری میں مدینہ کے سخت گرم دنوں میں پیش آیا جب کہ مدینہ کی دھوپ میں کھڑا ہونا محال تھا۔ کھجور کے درختوں پر پھل پک کر تیار ہو چکے تھے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھنے اور پکی ہوئی تازہ کھجوریں درختوں سے اُتار کر اپنے اہل وعیال کے لیے جمع کرنے کی بجائے اپنے صحابہ کرام کو ایک عظیم مقصد کے لیے جمع کرنا شروع کر دیا تھا۔ اِس مہم کا مقصد مدینہ سے 600 کلومیٹر دور تبوک کے مقام پر رُومیوں سے اِس شدید گرمی میں جہاد کرنا تھا۔ اِس طویل سفر میں بھوک، پیاس، ریت اور دھوپ کی شدت سب کچھ تھا۔ سچے مومنین رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک کے لیے روانہ ہو گئے سوائے 80 مردوں کے جنھوں نے اپنی منافقت کی وجہ سے ٹھنڈے سایوں اور تازہ پکی ہوئی کھجوروں کو اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ترجیح دی تھی۔ البتہ مدینہ میں ہی تین مخلص مومنین بھی اپنی سُستی اور کاہلی کی وجہ سے جہاد پر فوراً روانہ نہ ہوئے تھے جن میں ہلال بن امیہ، مرارۃ بن الربیعہ اور کعب بن مالکؓ شامل تھے۔ غزوہ تبوک کو ہمارے آج کے دور سے ویسے بھی بہت مناسبت ہے کیونکہ تبوک کے معرکے میں اُس وقت کی سُپر پاور یعنی رُومیوں کا

مسلمانوں سے مقابلہ تھا جس طرح آج ہے۔ پھر اُس وقت کی سُپر پاور نے تازہ تازہ اپنے وقت کی دوسری سُپر پاور یعنی فارس (ایران) کوشکست دی تھی جس کی وجہ سے رُومی سُپر پاور کو اپنی طاقت کا ایک خاص نشہ چڑھا ہوا تھا جیسا کہ موجودہ زمانے میں دنیا کی دوسری بڑی سُپر پاور رُوس کی شکست کے بعد ہوا۔ بہر حال، حضرت کعب بن مالکؓ کی کہانی سے ہم درج ذیل سبق اخذ کر سکتے ہیں:

1) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ اسلامی معاشرے میں حال یہ تھا کہ تین صحابی حضرات سے جہاد کے لیے جانے سے کچھ غفلت ہوگئی تو پورے اسلامی معاشرے نے اُن کا معاشرتی بائیکاٹ(Social boycott) کر دیا۔ اُن تینوں صحابیوں سے بات چیت، لین دین بند کر دیا۔ بالآخر جب اللہ کی طرف سے اُن تینوں صحابیوں کے لیے معافی کا حکم نازل ہوا تو اسلامی معاشرے نے وہ معاشرتی بائیکاٹ ختم کیا۔ اِس غزوہ میں پچاس دن لگے (پندرہ دن جانے میں، پندرہ دن واپس آنے میں اور بیس دن تبوک میں قیام)۔ چنانچہ اُن تینوں صحابیوں کے لیے اللہ کی طرف سے معافی کا حکم بھی پورے پچاس دنوں کے بعد نازل ہوا۔

آج اسلامی معاشروں کا حال کیا ہے؟ آج اگر کوئی مومن جہاد پہ جانا تو بہت بعد کی بات ہے، اگر جہاد کے حق میں یا مجاہدین کے حق میں کوئی بات بھی کر دے تو سارا اسلامی معاشرہ اس کے خلاف ہو جاتا ہے اور جہاد کی بات کرنے والے مومنین کا پورا اسلامی معاشرہ آجکل کے زمانے میں ''معاشرتی بائیکاٹ'' کر دیتا ہے۔ افسوس کہ صحابہ کرام کے دور میں پورا اسلامی معاشرہ اُس شخص سے ناراض ہو جاتا تھا جو اللہ کے راستے میں جہاد کرنے سے جی چُراتا چاہے وہ شخص کبھی محض اپنی سُستی کی بنا پر بھی جہاد سے پیچھے رہ جاتا۔ لیکن ہمارے دور میں نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اب ہمارا پورا اسلامی معاشرہ اُس شخص سے ناراض ہو جاتا تھا جو اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کی بات کر بیٹھے۔ اب آپ ہی بتائیں کہ

مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ ذلت نہ مسلط کرے تو اور کیا کرے؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

ے تھا جو نا خوب وہی بتدریج خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

2) اِس واقعے پر آپ غور فرمائیں کہ کس طرح غسان کے عیسائی بادشاہ نے اپنے قاصد کے ذریعے سیدنا کعب بن مالک ؓ کو خط کے ذریعے پیغام بھیجا کہ ''ہم نے سنا ہے کہ تمھارے پیغمبر (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) نے تم سے بدسلوکی کی ہے اور اللہ نے تمھیں ذلیل نہیں بنایا ہے اور نہ ہی بیکار (تم تو کام کے آدمی ہو) تم ہمارے پاس چلے آؤ، ہم بڑی خاطر سے پیش آئیں گے۔'' یعنی اِس آزمائش کے دور میں عیسائی بادشاہ نے اسلامی ریاست میں رہنے والے حضرت کعب بن مالک ؓ کو ''بیرونِ ملک'' جا کر بسنے کے لیے ''ویزا'' (visa) کی پیش کش کی، اپنے ہاں ''اچھی جاب'' (attractive job offer) کی پیش کش کی، (بعض روایات میں آتا ہے کہ اپنی عیسائی بیٹی سے شادی کی بھی پیش کش کی)، اپنی عیسائی حکومت کی طرف سے ''سیاسی پناہ'' (political asylum visa) کی پیش کش کی، دارالاسلام کو چھوڑ کر **دارالکفر** بلکہ **دارالحرب** میں آ بسنے (settle ہونے) کی پیش کش کی (**دارالحرب** سے مراد وہ غیر اسلامی ممالک ہیں مثلاً نیٹو ممالک جنھوں نے مسلمانوں کے خلاف اعلانِ جنگ کیا ہوا ہے)۔ یہ تمام پیش کشیں (offers) ایسی ہیں کہ جن کو حاصل کرنے کی خاطر آج کے بہت سے مسلمان حضرات کفار کے ہاتھوں میں بک جانے کو گوارا کرلیں۔

لیکن کعب بن مالک ؓ بھی کوئی عام آدمی نہ تھے۔ وہ تو پکے عاشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تھے۔ اُن کا عقیدہ **الولاء والبراء** بالکل واضح تھا۔ اِس لیے انھوں نے عیسائی بادشاہ کی دلفریب پیش کش کو جھٹلا دیا بلکہ اُس خط (Offer letter) کو ہی آگ میں پھینک دیا۔

3) اِس واقعے میں بیان ہوا ہے کہ حضرت ہلال بن امیہ ؓ کی بیوی نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا:

''میرا خاوند ہلال بن امیہ بہت ضعیف ہے اور اُس کی خدمت کرنے والا کوئی نہیں اگر میں اُس کی خدمت کروں تو کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو برا سمجھتے ہیں؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے اجازت دیدی۔ اِس واقعے سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ چلو ٹھیک ہے کہ کعب بن مالک ؓ تو جوان آدمی تھے، اِس لیے اُن کے جہاد پر نہ جانے کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام اسلامی معاشرے نے اُن کا بائیکاٹ کیا لیکن آپ اندازہ لگائیے کہ ہلال بن امیہ ؓ اتنے ضعیف ہو چکے تھے کہ اُن کی بیوی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہلال بن امیہ ؓ کی دیکھ بھال کرنے کی خاطر خاص طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی۔ ہلال بن امیہ ؓ اتنے ضعیف تھے پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور پورے اسلامی معاشرے نے اُن کے جہاد کے لئے نہ جانے پر پورے 50 روز تک اُن سے معاشرتی بائیکاٹ کیا یعنی ہلال بن امیہ ؓ سے بڑھاپے میں بھی یہ توقع کی جارہی تھی وہ جہاد پر نکلنے کے معاملے میں غفلت اور سستی سے کام لیں گے۔ ذرا ٹھہریں اور غور کریں!!!!! حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام ؓ کے دور میں پورے اسلامی معاشرے سے یعنی جوانوں اور بوڑھوں سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ اُنھوں نے اللہ کے راستے میں جہاد کرنا ہے اور اس میں کوئی استثناء (exception) نہیں۔ چنانچہ بوڑھے صحابہ کرام ؓ بھی جہاد پر جاتے تھے۔ صحابہ کرام میں سے ہر جوان اور بوڑھا مسلمان یہ سمجھتا تھا کہ نیک کاموں کی کوہان (peak) جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ قرآن پر صحیح عمل نے پورے اسلامی معاشرے میں جہاد کی ایسی روح پھونک دی تھی کہ بوڑھے صحابہ کرام ؓ تو کیا نابینا صحابہ کرام ؓ بھی جہاد کے لئے جاتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابن اُم مکتوم ؓ، جو مؤذن رسول بھی تھے اور نابینا تھے، بڑھاپے میں بھی اُن کا شوقِ شہادت اتنا زیادہ تھا کہ اُنھوں نے جنگ قادسیہ میں شامل

ہونے کا فیصلہ کیا۔ جب کچھ لوگوں نے اُنھیں سمجھانے کی کوشش کی کہ آپ نابینا ہیں، آپ کے لیے تو قرآن نے بھی رخصت دی ہوئی ہے تو حضرت ابن اُم مکتومؓ نے اُن صحابہ سے فرمایا:

"تمھیں پتہ ہے کہ میں کون ہوں؟ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرتبہ گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے بے رُخی برتی تو قرآن کی آیات نازل ہوئیں۔ عَبَسَ وَتَوَلّٰی ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ۝ (سورہ عبس: 1,2) (ترش رُو ہوا اور بے رُخی برتی اُس بات پر کہ وہ اندھا اُس کے پاس آگیا) اب تم لوگ بھی مجھے نابینا سمجھ کر مجھ سے بے رُخی برتو گے؟"

حضرت ابن اُم مکتومؓ کی یہ بات سن کر صحابہ کرام نے مجبوراً حضرت ابن ام مکتومؓ کو جہاد پر جانے کی اجازت دے دی۔ حضرت ابن ام مکتومؓ نے مسلمان فوج کا علم اُٹھانے کی ذمہ داری سنبھال لی اور اسی جنگ میں حضرت ابن ام مکتومؓ نے جام شہادت نوش کر لیا تھا۔

اسی طرح حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابوطلحہؓ انصاری نے، جبکہ وہ بہت بوڑھے ہو چکے تھے، سورہ توبہ کی تلاوت شروع کی۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کے اِس قول "اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا" (اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے نکلو چاہے ہلکے ہو کر یا بوجھل ہو کر) پر پہنچے تو فرمایا مجھے تو یہی نظر آ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ ہم لوگ چاہے جوان ہوں یا بوڑھے، دونوں حالتوں میں (اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کے لئے) نکلیں۔ اے میرے بیٹو! (اللہ کے راستے میں جانے کے لئے) مجھے تیار کرو، تیار کرو۔ اُن کے بیٹوں نے اُن سے کہا کہ اللہ آپ پر رحم فرمائے۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں شریک رہے (آپ تو اللہ کے راستے میں بہت جا چکے ہیں)، آپ ہمیں اپنی طرف سے جہاد میں جانے دیں۔ حضرت ابوطلحہؓ نے فرمایا نہیں، تم لوگ مجھے (جہاد میں

جانے کے لیے) تیار کرو۔ چنانچہ جہاد میں اُنہوں نے سمندر کا سفر کیا اور سمندر ہی میں اُن کا انتقال ہو گیا ۔ اور سات دن کے بعد اُن کے ساتھیوں کو ایک جزیرہ ملا جس میں اُنہیں دفن کیا گیا۔ اتنے دن گزرنے کے باوجود بھی اُن کے جسم میں ذرا بھی فرق نہیں پڑا تھا۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ جنھوں نے مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال میزبانی کی تھی، یہی ابو ایوب انصاریؓ اپنے بڑھاپے میں بھی عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تقاضوں سے بخوبی واقف تھے۔ آپؓ جانتے تھے کہ عشقِ رسولؐ کا مطلب صرف سٹیج پر کھڑے ہو کر نعتیں پڑھنا یا عید میلاد النبیؐ پر جلوس نکالنا نہیں ہوتا بلکہ سب سے سچا عاشقِ رسولؐ وہ ہوتا ہے جو پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنت پر عمل کرتے ہوئے اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہے۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ اپنے بڑھاپے میں جب حضرت معاویہؓ کے زمانے میں ایک جنگ میں گئے اور بہت زیادہ بیمار ہو گئے تو اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے سواری پر لے کر چلنا۔ جب تم دشمن کے سامنے صفیں باندھنے لگو تو اپنے قدموں میں مجھے دفن کر دینا۔

بہر حال، صحابہ کرامؓ کے جوان تو جوان، بوڑھے بھی مجاہد تھے لیکن آج امتِ مسلمہ کے نوجوان کیا کر رہے ہیں؟ آج کے مسلم نوجوان انٹرنیٹ چیٹنگ (chatting)، فیس بک (facebook)، سوشل نیٹ ورکنگ (social networking sites)، کمپیوٹر گیمز، آئی فونز (iPhones)، ڈش، کیبل، انڈین فلموں اور گانوں میں اپنی جوانی برباد کر رہے ہیں جبکہ غیر مسلم اقوام اُن کے سروں پر اپنی چھریاں تیز کر رہی ہیں اور ایک ایک کر کے مسلمان ممالک پر اپنا تسلط جما رہی ہیں۔ ایسے حالات میں مسلمان ذلیل نہیں ہونگے تو اور کیا ہو گا؟

جہاد کرنے سے زیادہ مسلمان مرتے ہیں یا جہاد چھوڑنے سے؟

تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ جب بھی مسلمانوں نے جہاد کو چھوڑا تو اُن مسلمانوں کی بڑی تعداد کو دوسری قوموں نے گاجر مولی کی طرح کاٹا اور قتل کیا لیکن تاریخ میں جب بھی مسلمانوں نے جہاد کیا تو اُن میں سے بہت کم لوگ شہید ہوئے۔ یہ دراصل جہاد فی سبیل اللہ کی برکات ہیں۔ تاتاریوں کے دور کی ہی مثال لے لیں۔ بخارا، ثمرقند، بغداد وغیرہ کے مسلمانوں کو دنیاوی زندگی سے بہت محبت ہوگئی تھی اِس لیے انھوں نے جہاد چھوڑ دیا تھا۔ چنانچہ جب چنگیز خاں اور پھر ہلاکو خان نے وہاں حملہ کیا تو وہاں کے مسلمانوں کی منت سماجت کے باوجود منگولوں نے مسلمان عورتوں کو برہنہ کیا، اُن کی عزتیں اُن کے مرد رشتہ داروں کے سامنے لوٹیں، بچوں، بوڑھوں، عورتوں، مردوں کو چن چن کر قتل کر ڈالا۔

اِس کے برعکس مصر کے مسلمانوں نے تاتاریوں سے جہاد کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہی نہیں بلکہ اُنھوں نے سنتِ نبوی پر عمل کرتے ہوئے آگے بڑھ کر اور مصر سے باہر نکل کر عین جالوت کے مقام پر رمضان جیسے سخت مہینے میں تاتاریوں سے جہاد کیا اور تاتاریوں کو بری طرح شکست دی تو اُس کے نتیجے میں اُس معرکے میں صرف چند سو مسلمان شہید ہوئے۔ کسی مسلمان عورت کی عزت پر آنچ نہ آئی، کوئی مسلمان بچہ یا بوڑھا نہ مرا۔ تاریخ میں ہمیشہ یہی ہوا ہے کہ جب بھی مسلمانوں نے آگے بڑھ کر مردانہ وار اپنے دشمنوں کا مقابلہ کیا تو

مسلمانوں کا بہت کم جانی نقصان ہوا کیونکہ دنیا کا یہ اصول ہے کہ:

You need to resist in order to exist.

(دنیا میں زندہ رہنے کے لئے تمھارے اندر مقابلے کی طاقت ہونی چاہئے۔)

یہی طریقہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ آگے بڑھ کر دشمن پر وار کیا اور اپنے دشمن کو کبھی سنبھلنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ اسی کی برکت سے چند سالوں میں پورے جزیرہ نما عرب میں اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ صحابہ کرامؓ نے کبھی امن کے گیت نہیں گائے، کبھی گھر گھر کا دروازہ کھٹکھٹا کر ووٹ نہیں مانگے، صحابہ کرامؓ نے اسلام کو پوری دنیا میں پھیلانے کے لئے نہ کبھی مظاہروں اور جلوسوں سے مدد لی، نہ دھرنوں میں اُمت مسلمہ کے مسائل کا حل تلاش کیا اور نہ ہی ظالم کفار (مثلاً یو این او) کے سامنے قراردادیں پیش کیں۔ صحابہ کرامؓ جانتے تھے کہ قرآن نے مسلمانوں کو واضح الفاظ میں حکم دے دیا ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئاً وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئاً وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لاَ تَعْلَمُونَ ○ (سورہ البقرہ: آیت 216)

”تم پر قتال (جہاد) فرض کر دیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے، اور یہ عین ممکن ہے کہ جو چیز تمہیں ناگوار ہو، وہی تمہارے حق میں بہتر ہو اور یہ عین ممکن ہے کہ جس چیز سے تم محبت کرتے ہو وہی تمہارے لئے بُری ہو، اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے؟“

سورہ البقرہ کی اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کی بجائے ”قتال“ کا لفظ استعمال

کیا ہے جس کا واضح مطلب ہے کہ دشمن سے ہتھیاروں کے ساتھ لڑنا۔ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ بعد کے زمانے میں اُمتِ مسلمہ میں ایسے روشن خیال اور ماڈرنسٹ علماء (scholars for dollars) پیدا ہو جائیں گے جو یہ کہیں گے کہ آج زمانہ بدل چکا ہے۔ ارے اب تو قلم سے جہاد کرنے کا دور ہے، ارے بھئی اب نفس کے جہاد کا زمانہ ہے، نہیں بلکہ اب تو بڑا مہذب دور آ گیا ہے، اب زبان سے جہاد کرنے کا زمانہ ہے۔ اسی قسم کے ماڈرنسٹ اور درباری علماء کے متعلق اقبال نے فرمایا تھا:

؎ فتویٰ یہ شیخ کا ہے کہ زمانہ قلم کا ہے
دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر

ہم پوچھتے ہیں شیخِ کلیسا نواز سے
مشرق میں جنگ شر ہے تو مغرب میں بھی ہے شر

حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات
اسلام کا محاسبہ، یورپ سے درگزر

اللہ تعالیٰ نے قرآن کو عربی زبان میں نازل فرمایا ہے اور عربی زبان میں الفاظ کے ساتھ کھیلنا آسان کام نہیں۔ عربی زبان بڑی ہی بلیغ اور معین (precise) زبان ہے۔ ''قتال'' کا لفظ نہایت مخصوص لفظ ہے (جسے مسلم امت پر فرض کیا گیا ہے)۔ ''قتال'' جہاد کی ایسی قسم ہے جو قلم سے یا زبان سے نہیں کی جا سکتی۔ قتال صرف ہتھیاروں سے کیا جاتا ہے یعنی دشمنوں کے خلاف صفیں باندھ کر ان کا مسلح مقابلہ کرنا جو کہ انسانی نفس کو ناگوار گزرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورہ البقرہ میں نہایت واضح انداز میں حکم فرما دیا ہے:

﴿ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ﴾ (سورہ البقرہ: 216)

''تم پر قتال فرض کیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے۔'' یہ ایک عمومی حکم ہے جس کے

مطابق ہر مسلمان پر جہاد فرض قرار دیا گیا ہے بالکل ایسے جس طرح اِسی سورہ البقرہ میں روزوں کے متعلق بھی اسی انداز سے حکم دیا گیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ (سورہ البقرہ: 183)

''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں۔''

مزید برآں قرآن نے جا بجا ''جہاد فی سبیل اللہ'' کی اصطلاح کو بھی استعمال فرمایا ہے جس کے معنی قتال فی سبیل اللہ کے آتے ہیں اور خود قتال کا صیغہ بھی بار بار استعمال ہوا ہے۔قرآن میں جہاد فی سبیل اللہ کے 26 صیغے استعمال ہوئے ہیں اور قتال کے 79 صیغے استعمال ہوئے ہیں۔سورۃ توبہ اور سورۃ الانفال سمیت قرآن پاک کی آٹھ (8) سورتیں مکمل طور پر جہاد کے بارے میں ہیں،بعض سورتوں کے نام ہی جہاد کے موضوع پر ہیں جیسے سورۃ احزاب، سورۃ محمد (سورہ القتال)، سورۃ الفتح، سورۃ الصف۔ یہی وجہ ہے کہ مفسر قرآن حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن مجید کا موضوع ہی جہاد ہے۔

دراصل مسلمان امت کو عزت ہی جہاد کی وجہ سے بخشی گئی ہے لیکن آج مسلمانوں میں ''وہن'' کی بیماری عام ہوگئی ہے۔وہن دراصل حُبُّ الدُّنْيَا وَ كَرَاهِيَةُ الْمَوْت ہے یعنی دنیا میں اپنا معیار زندگی بلند سے بلند تر کرنے کی کوشش اور موت کا خوف۔آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اِس ''وہن'' کی سزا کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ظالم اور جبار قوموں کو مسلمانوں پر مسلط فرما دیا ہے جو مسلمان پر ذرا رحم نہیں کھاتے۔

دنیا کی محبت کا لازمی نتیجہ موت کے خوف کی صورت میں نکلتا ہے کیونکہ انسان جب دنیا سے شدید محبت کرتا ہے تو وہ زندگی سے بھرپور طور پر لطف لینا چاہتا ہے اور موت اُس عیاشی کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔چنانچہ ''وہن'' کی بیماری (حُبُّ الدُّنْيَا وَ كَرَاهِيَةُ الْمَوْت) کے شکار مسلمان اللہ کے راستے میں جہاد کرنے سے بھاگتے ہیں۔حقیقت یہ ہے

کہ موت کا ایک دن معین ہے ۔ نہ تو جہاد کرنے سے انسان کی عمر کم ہوتی ہے اور نہ ہی گھر بیٹھنے سے انسان کی عمر لمبی ہوتی ہے ۔ سورہ آلِ عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ﴾

(سورہ آلِ عمران: آیت 145)

''کوئی ذی روح اللہ کے حکم کے بغیر نہیں مر سکتا۔ موت کا وقت تو لکھا ہوا ہے۔''

انسان کا جسم تو بہت کمزور ہے، زہر کا ایک قطرہ اُسے ختم کر سکتا ہے، چھوٹی سی چوٹ سے مر سکتا ہے، وائرس یا بیکٹیریا کے انفیکشن سے اُس کا چند گھنٹوں میں کام تمام ہو سکتا ہے (مثلاً Septicemia, Bacterial Meningitis کی وجہ سے)۔ اپنے بیوی بچوں کو الوداع کہہ کر جاب پر جانے والے باپ کی گاڑی کے ایک حادثے میں موت واقع ہو سکتی ہے۔ انسان اگر اپنے گھر سے باہر نہ بھی نکلے تو پھر بھی گھر کے اندر ہی واٹر ہیٹر (water heater / geezer) کے پھٹنے کی وجہ سے یا بجلی کا کرنٹ لگنے کی وجہ سے ایک انسان کی اپنے بیوی بچوں کے درمیان موت واقع ہو سکتی ہے۔ الغرض موت ہمارے اردگرد ہر وقت موجود ہے، وہ صرف اللہ کے حکم کی منتظر ہے۔ ایک اسلامی عالم نے خوب فرمایا تھا:

اِنَّ الْاِقْدَامَ لَا يُقَدِّمُ اَجَلَ وَاَنَّ الْجُبْنَ لَا يُؤَخِّرُ ، وَاَنَّ جِهَادَ فِى سَبِيْلِ اللّٰهِ لَايُقَدِّمُ اَجَلَ وَلَا يُؤَخِّرُ

(بہادری سے موت جلدی نہیں آتی اور بزدلی سے موت میں تاخیر نہیں ہوتی اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنے سے نہ موت جلدی آتی ہے اور نہ تاخیر سے۔) [(یعنی موت نے اپنے وقت پر ہی آنا ہے]

انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ موت سے اِس لئے بھاگتا ہے کیونکہ وہ درد اور

تکلیف سے گھبراتا ہے۔لیکن قرآن اوراحادیث مبارکہ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے راستے میں شہید ہونے والوں کے لئے نہ موت کے وقت تکلیف ہوتی ہے نہ اُنھیں قبر میں فرشتوں کے سوال و جواب کے خوف سے گزرنا پڑتا ہے اور نہ ہی قیامت کے روز صور پھونکے جانے کے دن کوئی خوف ہوگا۔یہی تو وجہ ہے کہ مرنے کے بعد اِس دنیا سے چلے جانے والے انسانوں میں صرف اور صرف اللہ کے راستے میں شہید ہونے والے ہی وہ لوگ ہوں گے جن کی یہ خواہش ہوگی کہ وہ دنیا میں واپس جائیں اور پھر اللہ کے راستے میں شہید ہوں۔ذرا ٹھہر کر اِس بات پر غور کریں!!! پھر ہمیں یہ بھی جان لینا چاہئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے راستے میں جہاد کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ عمل انسان کے غموں اور پریشانیوں (stress) کو دُور کرتا ہے یعنی یہ عمل تو دراصل "Stress-reliever" ہے جس کا مطلب ہے کہ اِس سے زندگی لمبی ہوتی ہے:

عَلَيْكُمْ بِالْجِهَادِ فِي سَبِيلِ اللهِ، فَإِنَّهُ بَابٌ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ، يُذْهِبُ اللهُ بِهِ الْهَمَّ وَالْغَمَّ.

(مستدرک الحاکم، صحیح ابن حبان)

''تم اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کو اپنے اوپر لازم، کیونکہ جہاد، جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، اُس کے ذریعے اللہ تمھیں غم وحزن سے نجات دیتا ہے۔''

[مستدرک الحاکم (2344) کےعلاوہ ابن حبان نے صحیح ابن حبان (4932) میں اور امام بیہقی نے السنن الکبریٰ (16544) میں بھی اِس حدیث کو روایت کیا ہے۔امام الحاکم نے اِس حدیث کو صحیح کا درجہ دیا ہے اور امام الذهبی نے حاکم کی رائے سے اتفاق کیا ہے۔]

یہی نہیں بلکہ شہادت کی موت اتنی عزت کی موت ہے کہ قرآن میں شہداء کے لئے جو

اعزازات بیان کئے گئے ہیں اُن میں سے صرف چند کا حوالہ یہاں دیا جاتا ہے:

(1) شہید کیلئے مغفرت ہے......(سورہ آل عمران:157)

(2) شہید کو مردہ گمان مت کرو......(سورہ آل عمران:169)

(3) شہید زندہ ہے......(سورہ البقرہ154،سورہ آل عمران:169)

(4) شہید خوف اور غم سے بے پراہ ہے......(سورہ آل عمران:171)

(5) شہید کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے روزی ملتی ہے......(سورہ البقرہ:154)

(6) شہید کیلئے جنت مہکا دی گئی......(سورہ محمد:6)

(7) شہید بہت خوش ہے......(سورہ آل عمران:170)

(8) شہید اپنے پیچھے والوں کا خوشی کے ساتھ انتظار کرتا ہے......(آل عمران:170)

(9) شہید کی حالت کو اللہ تعالیٰ سنوارتا ہے......(سورہ محمد:5)

(10) شہید کیلئے نور ہے......(سورہ الحدید:19)

(11) شہید کے اعمال جاری رہتے ہیں......(سورہ محمد:4)

(12) شہید کیلئے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں......(سورہ آل عمران:171)

(13) شہید نے اپنا عہد نباہ لیا......(سورہ الاحزاب:23)

اِس سلسلے میں یہاں پر چند احادیث پیش کی جاتی ہیں تاکہ بات مزید واضح ہو جائے۔
عامرؓ بن سعد روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص دعا کر رہا تھا جبکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول تھے۔ وہ شخص دعا مانگ رہا تھا:

اَللّٰهُمَّ آتِنِی اَفْضَلُ مَا تُؤتِیَ عِبَادِکَ الصَّالِحِیْنَ

''اے اللہ! میں تجھ سے سب سے بہترین چیز کا سوال کرتا ہوں جو تُو اپنے نیک

بندوں کو عطا فرماتا ہے۔''

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نماز ختم فرمائی تو آپ نے پوچھا کہ وہ کون تھا جو دعا مانگ رہا تھا؟ اُس شخص نے کہا: ''یا رسول اللہ! وہ شخص میں تھا''۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''**إِذًا يُعْقَرُ جَوَادُكَ وَتُسْتَشْهَدُ فِي سَبِيلِ اللهِ**''

''پھر تیرا گھوڑا جہاد میں قتل ہو گا اور تجھے شہادت نصیب ہو گی۔''

(صحیح ابن حبان، ابویعلیٰ، بزار، الحاکم)

[امام الحاکم نے اِس حدیث کو امام مسلم کی شرائط پر **صحیح** کہا ہے اور امام ذہبی نے بھی اِس حدیث کو **صحیح** کہا ہے۔]

آپ ذرا اِس دعا کے الفاظ پر غور کریں: ''یا اللہ! آپ اپنے صالح بندوں کو جو نعمتیں عطا فرماتے ہیں، اُن نعمتوں میں سے جو سب سے افضل اور اونچی نعمت ہے، وہ مجھے عطا فرمائیے''۔ اِس دعا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشریح فرما دی کہ اگر تم اللہ سے سب سے اُونچی نعمت مانگتے ہو تو پھر وہ سب سے اونچی نعمت یہ ہے کہ تم بھی شہید ہو جاؤ اور تمہارا گھوڑا بھی مارا جائے۔

اسی طرح حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کون سا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس کی قیمت زیادہ ہو اور اپنے مالک کے ہاں پسندیدہ ہو۔'' میں نے عرض کیا کہ سب سے افضل جہاد کون سا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس میں مجاہد کا گھوڑا بھی مارا جائے اور خود اُس کا خون بھی بہہ جائے یعنی وہ شہید ہو جائے۔'' (مسند احمد)

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا:

يؤتى الرجل مِن اَهْلِ الْجَنَّةِ، فيقول الله له: يا ابن آدم: كيف وجدت

منزلک؟

فیقول: یارب: خیر منزل

فیقول اللہ: سل وتمنَّ !

فیقول: أسألک أن تردّني إلی الدنیا، فأقتل فِي سبیلک عشر مرات !

وذلک لما یری من فضل الشهادة

[رواہ النسائی 36/6 . وابو عوانة فِي مُسندہ: 33/5 . والحدیث صحیح]

جنت میں سے ایک شخص سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''اے ابنِ آدم! کیا تُو (جنت میں) اپنی رہائش سے خوش ہے؟''

بندہ جواب دیگا: ''اے میرے رب، یہ سب سے بہترین جگہ ہے۔''

اللہ اُسے کہے گا: ''مانگ مجھ سے جو چاہتا ہے۔''

پھر بندہ کہے گا: ''اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے دنیا میں واپس بھیج دے تاکہ میں دس مرتبہ تیرے راستے میں شہید ہوؤں۔''

بندہ یہ بات اِس لیے کہے گا کیونکہ وہ شہادت کے عظیم انعامات دیکھ چکا ہوگا۔

ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الشهداء علی بارق نهر بباب الجنة، في قُبَّةِ خضراء ، یخرج علیها رزقهم من الجنة بُكْرَةً وَعَشِيًّا

رواہ احمد: 266/1 والحاکم: 74/2 وابن ابی شیبة: 290/5، والحدیث صحیح عند امام الذهبی

''شہداء کی رہائشیں (residences) جنت کے دروازوں کے قریب نہروں کے کنارے سبز گنبدوں میں ہوتی ہیں۔ اُنھیں جنت سے صبح اور شام رزق پہنچایا جاتا ہے۔''

مشہور تابعی سعید بن جبیرؒ سے کسی نے سوال کیا کہ سورہ الزمر کی آیت 68 میں جو بتایا گیا ہے کہ صور پھونکے جانے کے وقت زمین و آسمان کی تمام مخلوقات مر جائیں گی سوائے جنھیں اللہ زندہ رکھے تو وہ کون ہوں گے؟ سعید بن جبیرؒ نے فرمایا:

''وہ لوگ شہداء ہوں گے۔ باقی تمام مخلوقات مر جائیں گی جبکہ شہداء، اللہ کے عرش کے گرد تلواریں پکڑے کھڑے ہوں گے۔''

(ابن مبارک، بخاری فی تاریخ الکبیر، طبری فی تفسیر)

[امام سیوطی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔امام ذہبی نے بھی اِس روایت کو مستند قرار دیا ہے (الحاکم)]

اِس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کے سب سے بڑے ولی دراصل شہداء کرام ہوتے ہیں۔اِس سے بڑا مقام ولایت اور کوئی نہیں۔اِن حقیقی اولیائے کرام یعنی شہیدوں کی اللہ تعالٰی ایسی عزت افزائی کرتا ہے کہ قیامت کے روز جبکہ سورج سوا نیزے پر ہوگا اور بڑی بڑی اُونچی شانوں والے لوگ بھی اُس روز اللہ کے خوف سے تھر تھر کانپ رہے ہوں گے، عین اُس وقت شہداء کرام حضرات، اللہ جلَّ شانہُ کے عرش کے گرد تلواریں پکڑے کھڑے ہوں گے۔کیا اِس سے بڑھ کر بھی کوئی کامیابی ہوسکتی ہے؟

سعید بن جبیرؒ کے اِس اثر کی تائید مستدرک الحاکم میں روایت کی گئی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو ابوہریرہؓ نے روایت کی ہے:

عن ابی ھریرۃ عن النبی اَنَّہُ سَاَلَ جِبریل عَن ھٰذِہِ الاٰیۃ: وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰہُ (الزمر: ٦٨) مَن ھُم الَّذِیْنَ لَمْ یَشَاءُ اللّٰہُ اَنْ

يَصْعَقُهُمْ؟ قَالَ جِبْرِيْلُ : هُمْ شُهَدَاء الله .

(رواه الحاكم في المستدرك: ۲/ ۲۵۳، والحديث حسن.)

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے جبریلؑ سے سورہ الزمر کی آیت (''اور جس روز صور پھونکا جائے گا اور وہ سب مر کر گر جائیں گے جو آسمانوں اور زمین میں ہے سوائے اُن کے جنھیں اللہ زندہ رکھنا چاہے'') کے بارے میں سوال کیا کہ وہ کون لوگ ہوں گے جو صور کی آواز سے بچ جائیں گے (یعنی مریں گے نہیں)۔ جبریلؑ نے فرمایا: ''وہ اللہ کے راستے میں کیے گئے شہید ہوں گے''۔

مزید برآں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں بیان فرمایا:

كُلُّ مَيِّتٍ يُخْتَمُ عَلى عَمَلِهِ اِلَّا الْمُرَابِطِ فِي سَبِيْلِ اللهِ، فَاِنَّهُ يُنمى لَهُ عَمَلُهُ اِلى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَيُؤْمَنُ مِنْ فِتْنَةِ الْقَبْرِ

سنن ابی داؤد: 20/3 والترمذی: 98/3 والحاکم 144/2 والحدیث صحیح

''ہر شخص جسے موت آجائے اُس کے اعمال کی کتاب بند ہو جاتی ہے سوائے اُس شخص کے جو اسلامی مملکت کی سرحد پر پہرہ دے رہا ہوتا ہے کہ اُس کی نیکیاں قیامت تک بڑھتی رہیں گی اور اُسے قبر میں فرشتوں کے سوال وجواب سے بھی محفوظ رکھا جائیگا۔''

اس سلسلے میں حضرت جابر بن عبداللہ انصاری کا واقعہ بھی نہایت اہم ہے جو حدیث میں بیان ہوا ہے کہ اُن کے والد کو شہادت کے بعد اللہ نے کتنا عظیم اعزاز بخشا کہ اُن سے بغیر کسی حجاب کے (directly) گفتگو فرمائی۔ کیا اِس سے بڑھ کر بھی کوئی کامیابی ہو سکتی ہے؟ لیکن کتنی عجیب بات ہے کہ آج مسلمان اِسی اعزاز سے دور بھاگ رہے ہیں۔ اِس کی وجہ صرف اور صرف

دنیا کی محبت اور موت کا خوف ہے جسے حدیث میں "وھـــن" کہا گیا ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری کے والد کا واقعہ درج ذیل ہے:

عن جابر بن عبد الله قال: نَظَرَ اِلَيَّ رَسُوْلَ اللهِ ذَاتَ يَوْمٍ، فَقَالَ: يَاجَابِرُ: مَا لِي اَرَاکَ مُنْکَسِرًا مُهْتَمًّا .

قُلْتُ: يَارَسُوْلَ اللهِ، اُسْتُشْهِدَ اَبِی، وَتَرَکَ عَلَيْهِ دَيْنًا وَعِيَالاً

قَالَ: اَلا اُخْبِرُکَ؟ مَا کَلَّمَ اللهُ اَحَدًا اِلَّا مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ، وَاِنَّهُ كَلَّمَ اَبَاکَ كِفَاحًا ، فَقَالَ :يَا عَبْدِي ، سَلْنِيْ اُعْطِکَ؟

قَالَ : اَسْاَلُکَ اَنْ اُرَدَّ اِلَی الدُّنْيَا فَاُقْتَلُ ثَانِيَةً!

فَقَالَ الرَّبُّ سُبْحَانَهُ:اِنَّهُ سَبَقَ مِنِّي اَنَّهُمْ اِلَيْهَا لَايَرْجِعُوْنَ "

[روی الترمذی فی التفسیر (230/5) والحاکم فی معرفة الصحابة (203/3) امام ترمذی نے اِس حدیث کی سند کو حســـن قرار دیا ہے ۔ امام حاکم نے اِس حدیث کو صحیح کا درجہ دیا ہے۔ شیخ البانی نے بھی "صحیح الترمذی" میں اِس حدیث کو صحیح کا درجہ دیا ہے ۔]

حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا اور پوچھا: "اے جابر، کیا بات ہے تم اُداس نظر آ رہے ہو؟ میں نے کہا: میرے والد غزوہ احد میں شہید ہو گئے ہیں۔ اور اپنے پیچھے قرض اور عیال (سات بیٹیاں) چھوڑ گئے ہیں۔" تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

"کیا میں تمہیں خبر نہ دوں کہ اللہ نے کبھی کسی سے بغیر حجاب کے گفتگو نہیں کی لیکن اللہ نے تمہارے والد سے بغیر حجاب کے (Directly) گفتگو فرمائی اور کہا:

''مجھ سے مانگ میں تجھے عطا کروں گا۔''

تو تمہارے والد نے اللہ تعالیٰ سے کہا: ''اے اللہ! تُو مجھے دوبارہ دنیا میں بھیج تاکہ میں پھر تیرے راستے میں قتل (شہید) کیا جاؤں۔''

اللہ نے جواب میں فرمایا: ''میں نے یہ بات لازم کر دی ہے کہ تمہیں دوبارہ دنیا میں نہیں لوٹایا جائیگا۔''

الغرض کہ اُن بے شمار فضائلِ شہداء میں سے جو احادیث شریفہ میں وارد ہوئے ہیں اور کچھ ہم نے ابھی بیان کر دیے ہیں، یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ایک مسلمان کو دنیا میں جو سب سے بڑی نعمت مل سکتی ہے، وہ شہادت کی نعمت ہے کیونکہ شہادت ایمان کے قبول ہونے کی گواہی ہے، یہ موت نہیں زندگی ہے اور یہ گناہوں کا کفارہ ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ دنیا میں ایمان کے بعد ایک مومن کیلئے شہادت سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شہید کو جو اُونچے اعزازات اور فضائل عطا فرماتا ہے، اگر مسلمان اُن پر غور کریں تو پھر اللہ تعالیٰ سے صبح کے وقت بھی شہادت کی دعائیں مانگیں، شام کے وقت بھی شہادت کی دعائیں مانگیں اور آدھی رات کو تہجد کی نماز کے لئے بیدار ہو کر بھی شہادت کی دعائیں مانگیں۔

عزت اسلام میں ہے لیکن مسلمان کہیں اور ڈھونڈ تے ہیں

آج مسلمانوں کو اللہ کی مدد اور نصرت کیسے آئے کہ وہ عزت کو غلط جگہ ڈھونڈ تے ہیں۔ آج مسلمان عزت کو ایسی جگہوں میں ڈھونڈ تے ہیں جہاں اللہ نے مسلمانوں کے لیے عزت نہیں بلکہ ذلت رکھی ہوئی ہے۔ قرآن میں اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن مسلمان اپنے آپ کو پہلے اِس کا مستحق تو ثابت کریں۔ آج پوری دنیا پر رومن تہذیب کے جانشین (یعنی یورپ اور امریکہ) حکومت کر رہے ہیں اور مسلمان ہر جگہ ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ اسلئے اِن ہی رومیوں (موجودہ دور کے یورپ اور امریکہ) کے نام سے منسوب سورت یعنی سورہ الروم میں اللہ تعالی نے مسلمانوں کو واضح پیغام دے دیا ہے:

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ o (سورہ الروم:47)

(اور ہم پر یہ حق ہے کہ ہم مومنوں کی مدد کریں۔)

بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اللہ نے یہ وعدہ مومنین سے کیا ہے اور آج مسلمانوں کا حال کچھ اور ہی ہے۔ آج دنیا کے اکثر حصوں میں ہمیں پتہ ہی نہیں چلتا ہے مسلمان کون ہے اور غیر مسلم کون۔ مسلمان مرد حضرات کلین شیو چہروں کے ساتھ اور عورتیں بغیر پردے کے نظر آتی ہیں۔ سورہ المومنون اور سورہ الانفال میں سچے مومنین کی جو خوبیاں

بیان ہوئی ہیں وہ مشکل سے ہی مسلمانوں کی اکثریت میں نظر آتی ہیں بلکہ اسلامی شاعر امیر الاسلام ھاشمی صاحب کے الفاظ میں آج کے مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ:

مکاری و غداری و عیاری و ہیجان
اب بنتا ہے اِن چار عناصر سے مسلمان
قاری اِسے کہنا تو بڑی بات ہے یارو
اُس نے تو کبھی دور سے دیکھا نہیں قرآن
اقبال ترے دیس کا کیا حال سناؤں

بے باکی و حق گوئی سے شرماتا ہے مومن
مکاری و روباہی پہ اتراتا ہے مومن
جس رزق سے پرواز میں کوتاہی کا ڈر ہو
وہ رزق بڑے شوق سے اب کھاتا ہے مومن
اقبال ترے دیس کا کیا حال سناؤں

(امیر الاسلام ھاشمی)

اللہ نے مسلمانوں کے لیے عزت جہاد فی سبیل اللہ میں رکھ دی ہے لیکن مسلمان اُسے آپس میں فساد میں تلاش کرتے ہیں۔ یعنی اب مسلمانوں نے "جہاد" کی جگہ "فساد" کو دے دی ہے۔ اسکے برعکس غیر مسلم اقوام "جہاد" کر رہی ہیں اور اُنھوں نے اپنا خون گرم رکھا ہوا ہے۔ امریکہ، افغانستان میں اور عراق میں جا کر "صلیبی جہاد" کر رہا ہے، برطانیہ، جرمنی، کینیڈا اور فرانس، افغانستان میں جا کر "صلیبی جہاد" کر رہے ہیں، ابھی حال ہی میں فرانس نے مالی (Mali) کی اسلامی حکومت پر حملہ کر کے اُس کے خلاف صرف اِس لئے "صلیبی جہاد" شروع کر دیا ہے کیونکہ مالی کے کئی شہروں میں پچھلے چند ماہ سے اسلامی شریعت نافذ ہوئی تھی اور مغربی ممالک کو "شریعت" سے اتنی نفرت ہے کہ شاید ہی کسی اور چیز سے نفرت ہو۔

مالی میں فرانس کی کافر اور "دہشت گرد" فوج اور وہاں کے مقامی منافقین کے خلاف جو مجاہدین جہاد کر رہے ہیں، پوری دنیا کا میڈیا اُن مجاہدین کو اپنی ایک آنکھ والی سکرین پر باغی (rebels)، فتنہ کھڑا کرنے والے (insurgents)، اسلامی جنونی (Islamists)، جنگجو (militants) اور بھگوڑے (fugitives) کے لیبل لگا کر پیش کر رہا ہے۔ یہ سب برین واشنگ کرنے کے نفسیاتی حربے ہیں جو اِس زمانے کا دجالی میڈیا بڑی مہارت اور ڈھٹائی سے استعمال کرتا ہے اور ایک آنکھ والے میڈیا کے سامنے بیٹھنے والے ہر مسلمان اور غیر مسلم کی برین واشنگ کر جاتے ہیں۔

یہی نہیں بلکہ اب تو مغربی میڈیا نے مجاہدین کے خلاف اپنا سب سے پرانا ہتھیار بھی استعمال کرنا شروع کر دیا ہے یعنی یہ اعلان کہ مالی کے مجاہدین کا "القائدہ سے تعلق" ہے۔ مغربی میڈیا اِس بات سے بخوبی واقف ہے کہ کوا غلیل سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا ایک مسلمان اپنے اوپر "القائدہ سے تعلق" کا لیبل لگنے سے ڈرتا ہے۔ آج کوئی مسلمان اگر طاعون کی وبا کی زد میں آ جائے تو شاید اُس کے زندہ بچنے کی اُمید کی جا سکتی ہے لیکن اگر میڈیا اُس پر "القائدہ سے تعلق" کا لیبل لگا دے تو پھر اُس کے بچنے کی کوئی اُمید نہیں رہتی اور اُس کا انجام اتنا ہی دردناک ہوتا ہے جتنا سیالکوٹ میں دو بے گناہ حفاظِ قرآن بھائیوں پر "ڈاکو" کا الزام لگنے کے بعد وہاں کے سفاک لوگوں کے ہاتھوں ہوا۔

آج پوری دنیا کے لوگ صلیبی جہاد کرنے والے چڑھتے ہوئے سورجوں کو سلام کرتے ہیں جبکہ اگر کوئی مسلمان اپنے منہ سے "جہاد" کا لفظ بھی نکال دے تو غیر مسلم میڈیا تو بعد میں، سب سے پہلے اپنے منافق مسلمان ہی ایسے مسلمان کو انتہاء پسند (Extremist)، دہشت پسند (Terrorist)، بنیاد پرست (Fundamentalist)، عسکریت پسند (Militant Muslims) جیسے لیبل عطا کر دیتے ہیں۔ آج حال یہ ہے کہ:

؎ دین کافر حکمت و تدبیر جہاد
دین "مسلم" فی سبیل اللہ فساد
(اقبال کے شعر میں کچھ ترمیم کے ساتھ)

اللہ نے اُمتِ مسلمہ کی عزت اُس کے آپس کے اتحاد میں رکھی ہے لیکن مسلمان اُسے UNO کی ممبر شپ میں تلاش کرتے ہیں حالانکہ "اقوامِ متحدہ" دراصل "مسلمانوں کے خلاف اقوامِ متحدہ"(United Nations Against Muslims)(UNAM) ہے۔ اللہ نے عزت اسلامی معاشرت اور طرزِ زندگی اپنانے میں رکھی ہے لیکن اکثر مسلمان اُسے غیر مسلموں کے فیشن اپنانے میں تلاش کرتے ہیں۔ اللہ نے عزت، اسلام اور خودداری میں رکھی ہے لیکن مسلم حکمران اُسے IMF اور ورلڈ بینک کے قرضوں میں تلاش کرتے ہیں۔

تیونس کے ڈکٹیٹر زین العابدین بن علی نے مغربی ممالک کے پاس عزت تلاش کی لیکن آج وہ تاریخ کی ردی کی ٹوکری (dustbin of history) میں جا چکا ہے۔ لیبیا کے ڈکٹیٹر معمر قذافی نے عزت فرانس کے دامن میں تلاش کی حتیٰ کہ فرانس کے مخنث صدر نکولس سارکوزی (Nicholas Sarkozy) کی 2007 کی صدارتی مہم (election campaign) میں مدد کرنے کے لئے صدر قذافی نے سارکوزی کو 40 ملین پونڈ دیئے لیکن آخر کیا ہوا؟ فرانس کا نکولس سارکوزی، قذافی کو اُس کے عبرت ناک انجام سے نہ بچا سکا۔ صدام حسین نے عزت کو عرب نیشنلزم اور بعث پارٹی میں تلاش کیا لیکن آج وہ تاریخ کی ردی کی ٹوکری میں جا چکا ہے۔ مصر کے آمر حسنی مبارک کو یہودیوں سے اتنی محبت تھی کہ شاید یہودیوں کو بھی یہودیوں سے اتنی محبت نہ ہوگی لیکن آج اُس کی بادشاہی کہاں گئی؟ اسرائیل بھی حسنی مبارک کی ذلت کو نہ روک سکا۔ یہی حال یمن پر 33 سال تک حکومت کرنے والے اور صرف پرائمری جماعت پاس ڈکٹیٹر علی عبداللہ صالح کا ہوا جس نے عزت کو رُوس اور امریکہ کے پاس تلاش کیا لیکن بالآخر اُسے یمن سے دُم دبا کر بھاگنا پڑا۔

بہت جلد رُوس اور چین سے عزت کی اُمید لگانے والے شام کے آمر بشار الاسد اور مصر کے آمر جنرل فتح سیسی کا بھی بہت جلد یہی حال ہونا ہے جو باقی جابرہ کا اُن سے پہلے ہوا، اِن شاءاللہ۔

قرآن میں اللہ تعالی نے مسلمانوں کو واضح الفاظ میں بتا دیا ہے:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ٥

(سورہ المنافقون:8)

(عزت تو اللہ اور اسکے رسولؐ اور مومنین کے لیے ہے مگر یہ منافق جانتے نہیں ہیں۔)

یقیناً آج مسلمانوں نے اسلام کی بجائے دوسری چیزوں میں عزت ڈھونڈنا شروع کر دی ہے جس کے نتیجے میں پوری دنیا اور اُس کا میڈیا مسلمانوں کو ہر جگہ بدنام کر رہے ہیں۔ خلیفہء ثانی حضرت عمرؓ بن خطاب نے اُمتِ مسلمہ کے لئے عزت حاصل کرنے کا ایک سنہرا اُصول (Golden Rule) بتا دیا تھا:

نَحنُ قَوْمٌ اَعزَّنَا اللّٰهُ بِا لْاِسْلَامِ فَاِذَا ابْتَغَيْنَا الْعِزَّةَ بِغَيْرِهٖ، اَذَلَّنَا اللّٰهُ

(ہم ایک ایسی قوم ہیں کہ ہمیں اللہ نے عزت، اسلام پر چلنے کی وجہ سے دی ہے۔ اگر ہم نے اسلام کو چھوڑ کر دوسری چیزوں میں عزت تلاش کرنا شروع کر دی تو اللہ تعالی ہمیں ذلیل کر دیگا۔)

(مستدرک الحاکم، المصنف لابن ابی شیبہ، ازالۃ الخفاء)

”ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات“

اسلامی تاریخ ہمیں یہ سبق سکھاتی ہے کہ جن جن مسلمان لیڈروں اور حکمرانوں نے جہاد کو چھوڑا اور آسان زندگی کو اپنایا، اُن کا انجام بڑا عبرتناک ہوا۔ اُن کی زندگی کے آخری ایام بڑے حسرت ناک تھے۔ سپین اور سسلی میں مسلمانوں کے لیڈروں نے شمشیر وسناں کو چھوڑ کر طاؤس ورباب (Musical instruments) اپنے ہاتھ میں پکڑے تو پوری دنیا کے لئے وہ عبرت بن گئے۔ شیخ عبداللہ العزام شہید نے سچ فرمایا تھا: ”آرام طلب زندگی، جہاد کی سب سے بڑی دشمن ہے۔“

اندلس اور سسلی کے جن مسلم حکمرانوں نے آرام طلب بلکہ عیاشی پسند زندگی اختیار کر لی تھی اُن میں سے ایک معتمد علی اللہ آخر تھا جو قرطبہ اور اشبیلیہ کا والی تھا اور تقریباً جزیرہ اندلس کے بڑے حصے پر اسی کا فرمان جاری تھا۔ 461ھ میں تخت پر بیٹھا۔ عرب مؤرخ ابو الحسن کتاب ”ملح الملح“ میں اُس کی نسبت لکھتا ہے کہ سپین کا مسلم حکمران معتمد علی اللہ اندلس کے باقی حکمرانوں سے وسعتِ اخلاق اور سخاوت و فضائل میں بڑھا ہوا تھا۔ شعراء و فضلاء اُس کے دربار پر جمع ہوئے رہتے تھے اور اہلِ ہنر و فضیلت دور دور سے چلے آتے تھے حتیٰ کہ اُس کے دربار سے بڑھ کر اُس زمانہ میں اور کہیں اتنے فضلاء (یعنی شاعر اور ادیب حضرات اور درباری علماء وغیرہ) موجود نہ تھے۔

معتمد خود بھی ایک قادرِ کلام شاعر تھا۔ اُس کے شعر میں پھولوں کی سی نزاکت و لطافت

اور موتیوں کی سی رعنائی پائی جاتی ہے۔ مثلاً ہجر اور وصال کے مضمون پر کہتا ہے:

اکثرت ھجرک غیر انک ربما
عظفتک احیانا علی امور
نکانما زمن التھا جربیننا
لیل وساعات الوصال بدور

یعنی ''جدائی کے لمبے زمانہ میں کبھی کبھی جب تو مل لیتا ہے تو یہ کہنا ٹھیک ہے کہ جدائی کا زمانہ تو راتوں سے مشابہ ہے اور وصل کا زمانہ چودھویں کے چاند کی طرح ہے۔''

ایک دفعہ اُس نے بیگمات کو قرطبہ سے اشبیلیہ روانہ کیا، روانگی رات کی تھی۔ معتمد تھوڑی دور تک ساتھ گیا اور پو پھٹنے کے وقت اُن سے جدا ہوا۔ اسی پر یہ قطعہ لکھا:

سائیر تھم واللیل المقل ثوبہ
حتی تبدی للنوا ذل علماء
توفقت ثم مود عاوتسلمت
من یدالاصباح تلک الانجماء

یعنی ''جبکہ رات نے چاروں طرف اپنے سیاہ پردے چھوڑ رکھے تھے، میں اُن کے ساتھ ساتھ چلا گیا اور جب صبح کا گلکار عباس نظر آنے لگا تب میں ٹھہر گیا اور اُن سے وداع ہو کر اُن چمکتے ہوئے تاروں کے ہاتھ صبح کے ہاتھ میں دیکر چلا آیا۔''

جس بادشاہ کی شاعری کا یہ حال ہو، اُس کی نازک مزاجی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ معتمد کے عہد میں ملک اندلس کے بڑے حصے پر ایک طاقتور عیسائی بادشاہ ازقونش نامی مسلط تھا اور تمام اسلامی ریاستیں اُسے خراج ادا کیا کرتیں۔ 478ء ہجری میں اُس عیسائی بادشاہ نے طلیطلہ فتح کیا۔ اُس سال جو خراج معتمد علی اللہ نے عیسائی بادشاہ کو بھیجا وہ اُس نے قبول نہ کیا بلکہ کہلا بھیجا کہ تمام جنگی قلعہ جات چھوڑ کر صرف ہموار سطح پر اپنا قبضہ

رکھو۔ معتمد نے سفیر کو قتل کرا دیا۔ ازفونش یہ سنکر نہایت طیش میں آ گیا اور اسی بات کو بہانہ بنا کر لڑائی کی تیاری کا حکم دیا۔ جب علماء و فقہاء کو یہ معلوم ہوا تو اُنہوں نے ایک انجمن میں جمع ہو کر مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہماری چھوٹی چھوٹی اسلامی ریاستیں باہمی جنگ وجدل میں مصروف ہیں اور نصاریٰ یکے بعد دیگرے اسلامی حکومتوں کو خاک میں ملا رہے ہیں، اگر یہی حالت رہی تو اسلامی حکومتوں کا خاتمہ ہو جائیگا۔ آخر قاضی عبداللہ کی رائے یہ ٹھہری کہ یوسف بن تاشفین بادشاہ مراکش سے مدد حاصل کرنا چاہیے۔ معتمد علی اللہ نے اِس رائے کو پسند کیا اور یوسف بن تاشفین کی خدمت میں خط روانہ کیا گیا۔ وہ فوراً دس ہزار جنگ آزما فوج لے کر مقابلہ میں آیا، ازفونش نے لمبے چوڑے خط لکھ کر امیر یوسف کو ڈرانا چاہا، (جیسے آج کے دور میں مسلمانوں کو ڈرایا جاتا ہے کہ اگر تم نے اِس جنگ میں اپنے ہمسائے مسلم مُلک کا ساتھ دیا تو ہم تمھیں پتھر کے دور میں پہنچا دیں گے)۔ اُس کے جواب میں یوسف بن تاشفین نے عیسائی بادشاہ کو صرف یہ لکھ بھیجا کہ جو ہونا ہے اُسے تم جلد دیکھ لو گے۔ اگلے روز جنگ شروع ہوئی۔ صرف ازفونش چند نفروں سمیت جان بچا کر بھاگ سکا۔ باقی تمام عیسائی فوج یوسف بن تاشفین کے فوجیوں کے ہاتھوں ماری گئی۔

امیر یوسف بن تاشفین اِس فتح کے بعد اپنے دارالسلطنت کو لوٹ کر چلا گیا لیکن اگلے چند مہینوں میں یوسف بن تاشفین نے غرناطہ کا مال وزر، تجارت وصنعت، میوہ جات، محلات وباغات اور چراگاہیں دیکھیں جبکہ اُس کے اپنے ملک مراکش میں یہ سامان خواب وخیال میں بھی نہ تھا۔ پھر یوسف بن تاشفین نے معتمد علی اللہ کے متعلق دیکھا کہ یہ شخص حکومت کرنے کی بجائے صرف شعروشاعری میں لگا ہوا ہے اور اُس کو جہاد کی کوئی فکر نہیں۔ یوسف بن تاشفین نے مشاہدہ کیا کہ غرناطہ کے مسلمان حکمران معتمد علی اللہ نے پوری مسلمان قوم کو شعروشاعری اور کھیل تماشوں (Sports and music) میں لگایا ہوا ہے تو یوسف بن تاشفین نے اشبیلیہ پر حملہ کر دیا۔ معتمد علی اللہ کی مسلمان فوج میں

یوسف بن تاشفین کی فوج کا مقابلہ کرنے کی سکت کہاں تھی کہ معتمد علی اللہ اور اُس کی مسلمان رعایا نے عرصہ ہوا جہاد اور قتال کو چھوڑ دیا تھا۔ وہ لوگ تو عیاشی، کھیل تماشوں، ''میچ دیکھنے''، ''ڈراموں اور میوزک شوز'' کے عادی ہو چکے تھے۔ مورخ اسلام قاضی سلمان منصور پوری لکھتے ہیں:

> امیر یوسف بن تاشفین نے اشبیلیہ پر فوج کشی کا حکم دیا۔ سخت محاصرہ کے بعد شہر فتح ہوگیا۔ تمام باشندگان بیک بنی و دو گوش کہ ستر عورت کیلئے بھی بدن پر دھجی نہ تھی، باہر نکالے گئے۔ معتمد علی اللہ قید کرلیا گیا۔ شاہی کنبہ کے تمام مرد اور عورتیں ایک رسی سے بندھے ہوئے اور ایک دوسرے پر اُوندھے پڑے ہوئے تھے۔ سب کو ایک کشتی میں ڈالا گیا اور امیر کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔''
>
> ''جب یہ قیدی امیر یوسف کے سامنے کئے گئے تو اُس نے معتمد علی اللہ کو شہر اغمات میں طوق و سلاسل کے ساتھ قید رکھنے کا حکم دیا جہاں یہ نیک بادشاہ اپنی زندگی کے آخری سانس تک رہا۔
>
> اللہ اکبر! کیا عبرت کا مقام ہے کہ چار روز پہلے جس کا ملک میں سکہ و خطبہ جاری تھا۔ جو سنہری تخت پر ناز سے قدم رکھتا تھا جس کے حضور میں بڑے بڑے گردن کش حاضر ہوتے ہوئے تھراتے تھے۔ وہ کیسی گمنامی کیساتھ فرش خاک پر طوق و سلاسل کے شکنجہ میں پڑا ہوا ہے اور کس طرح ادنیٰ سے ادنیٰ ملازم کی مہربانی کیلئے التجا کرتا ہے۔''

معتمد علی اللہ 431ھ میں پیدا ہوا تھا۔ 461ھ میں قرطبہ و اشبیلیہ کا بادشاہ بنا اور 488ھ میں جیل خانہ میں وفات پانے کے بعد گمنامی کے ساتھ دفن کیا گیا۔ قاضی سلمان منصور پوری صاحب مزید لکھتے ہیں کہ ایک دن معتمد کا بیٹا ابو ہاشم زنداں میں اپنے باپ کو دیکھنے گیا۔ دیکھا لوہے میں جکڑا ہوا ہے کہ کروٹ لینا بھی دشوار ہے۔ آنکھوں سے

آنسوؤں کی جھڑی ایسی جاری ہوئی کہ بند نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ پورا شہر عید کی خوشیاں منا رہا تھا تو معتمد علی اللہ اور اُس کے گھر والوں کی کیا حالت تھی:

''عید کا دن تھا اور شہر میں چہل پہل ہو رہی تھی۔ اتنے میں معتمد علی اللہ کی دو بیٹیاں، وہ ناز پروردہ شہزادیاں، اپنے باپ کو دیکھنے کیلئے جیل میں آئیں۔ یہ لڑکیاں گلی بازار میں لوگوں کو گیت سُنا کر بھیک مانگ کر اپنا گزارا کرتی تھیں۔ جیل میں ایک عہدہ دار بھی موجود تھا پہلے معتمد کا سابقہ ملازم اور راو ٹے چاکر رہ چکا تھا۔ شہزادیوں کو دیکھ کر دل بھر آیا اور بے ساختہ یہ شعر پڑھنے لگا:

فِیمَا مَضٰی کُنْتَ بِالْاَعْیَادِ مَسْرُوْرًا
فَسَاءَکَ الْعِیْدُ فِی اَغْمَاتَ مَاْسُوْرًا

''آج سے پہلے عید کے دنوں میں آپ خوش وخرم ہوتے تھے لیکن اغمات کی عید میں آپ قید میں پڑے ہوئے ہیں۔''

تَرٰی بَنَاتُکَ فِی الْاَطْمَارِ جَائِعَةً
یَغْزِلْنَ لِلنَّاسِ مَا یَمْلِکْنَ قِطْمِیْرًا

''تو اپنی بیٹیوں کو ایسی حالت میں دیکھ رہا ہے کہ پیٹ سے بھوکی اور بدن سے ننگی ہیں، لوگوں کے لئے چرخہ کات کر اپنا گزارا کرتی ہیں اور کوڑی پاس نہیں۔''

بَرَزْنَ نَحْوَکَ لِلتَّسْلِیْمِ خَاشِعَةً
اَبْصَارُهُنَّ حَسِرَاتٍ مَکَاسِیْرًا

''لڑکیاں تجھے مودبانہ سلام کرنے کیلئے آئی ہیں اور اُن کی نگاہ سے حسرت وشکستگی ٹپک رہی ہے۔''

مَنْ بَاتَ بَعْدَکَ فِی مُلْکٍ یُسِرُّبِہٖ
فَاِنَّمَا بَاتَ بِالاَحْلامِ مَغْرُوْرًا

''آپ کے بعد جو حکومت پر خوش ہوگا اس کی وہی مثال ہے جو خواب وخیال پر خوش ہوتا ہے۔''

(تاریخ المشاہیر۔از قاضی سلیمان سلمان منصور پوریؒ)

سپین (اُندلس) کی سرزمین پر مسلمانوں نے 800 سال تک حکومت کی تھی ۔جب وہاں مسلمانوں کا دورِ زوال شروع ہوا تو سپین میں مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستیں (مُلُوکَ الطَّائِفَہ) بن گئیں جن پر مختلف والی حکومت کرتے تھے بالکل جس طرح آج مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں بن گئی ہیں اور اُن کا کوئی خلیفہ نہیں ہے۔ چنانچہ ایک ایک کرکے اُندلس کی مسلم ریاستوں پر عیسائی حکمرانوں نے قبضہ کرنا شروع کردیا۔ بالآخر 1492ء میں (یہ وہی سال ہے جب کولمبس نے امریکہ دریافت کیا) سپین میں مسلمانوں کی آخری ریاست یعنی غرناطہ کو شکست ہوئی اور سپین سے مسلم حکومت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا۔ 1491ء میں ہسپانوی عیسائی حکمران فرڈیننڈ (King Ferdinand) اور ملکہ اِزابیلہ (Queen Isabella) نے غرناطہ کے قلعے کا محاصرہ کرلیا۔اُس وقت کے مسلمانوں کے آخری حکمران اور غرناطہ کے بادشاہ ابو عبداللہ محمد الثانی عشر نے بالآخر خفیہ طور پر عیسائی بادشاہ فرڈیننڈ سے بغیر جہاد کیے غرناطہ اُن کے حوالے کرنے کا سمجھوتہ کرلیا ،اِس شرط پر کہ اُس کو اور اُس کی فیملی کو عیسائی افواج زندہ چھوڑ دیں گے اور وہ جبلِ طارق عبور کرکے مراکش بھاگ سکے گا۔ چنانچہ 2 جنوری 1492ء کو ابو عبداللہ محمد الثانی عاشر نے بغیر لڑائی کے غرناطہ عیسائیوں کے حوالے کردیا۔اِس واقعے کی منظر کشی برطانوی مورخ سٹینلے لین پول نے اپنی کتاب "The Moors in Spain" (مطبوعہ 1887ء)

میں یوں کی ہے:

"Allah Akbar", he said, "God is most Great," as he burst into tears. His mother Ayesha stood beside him. She said to her son: "You may well weep like a woman, for what you could not defend like a man." The spot whence Boabdil (Abu Abdullah Muhammad the 12th) took his sad forewell look at his city from which he was banished for ever, bears to this day the name of el ultimo sospiro del Moro,"the last sigh of the Moor".

''اُس (غرناطہ کے مسلم حاکم) نے کہا ''اللہ اکبر'' اور پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگ گیا۔ بادشاہ کی ماں عائشہ جو اُس کے ساتھ موجود تھی اُس نے اپنے بیٹے کو کہا:

اِبْكِي كَالنِّسَاءِ عَلَى مُلْكٍ لَمْ تحافظ عَلَيْهِ كَالرِّجَالِ

(اے بیٹے! تو اِس ملک کے نکل جانے پر عورتوں کی طرح آنسو بہا کیونکہ تو مردوں کی طرح اس ملک کی حفاظت نہیں کر سکا۔)

جس مقام سے ابوعبداللہ نے شہر کو ہمیشہ کیلئے الوداع کہا تھا آج تک (سپین میں) اُس مقام کے لیے یہ نام استعمال ہوتا ہے: ''سپین کے مسلمان کی آخری آہ''

ہم دیکھتے ہیں کہ عصرِ حاضر کے پاکستان کے بعض حکمران بھی عیسائی حکومتوں سے ڈر کر خفیہ طور پر Safe passage کے معاہدے کر لیتے ہیں اور اپنے دورِ حکومت کے اختتام پر برطانیہ یا سوئٹزرلینڈ منتقل ہو جاتے ہیں جبکہ سوئٹزرلینڈ کے بینکوں میں پہلے ہی وہ قوم کی دولت چوری کر کے اپنے اکاؤنٹ میں بھجوا چکے ہوتے ہیں۔ پھر یہ منافقین اپنے سرپرست صلیبی ممالک میں منتقل ہو کر اور وہاں پر بیٹھ کر پاکستان کے متعلق بیان بازیاں کرتے رہتے ہیں۔

بہر حال جب مسلمانوں پر معتمد علی اللہ، ابوعبداللہ محمد الثانی عشر اور بہادر شاہ ظفر جیسے نازک مزاج اور عیاشی پسند لوگ حکمران بن کر مسلط ہو جائیں جو جہاد سے جان چھڑائیں تو پھر اُن میں سے بعض کا انجام قید خانہ ہوتا ہے جیسا کہ معتمد علی اللہ اور بہادر شاہ ظفر کے ساتھ ہوا جہاں بیٹھ کر پھر اُن کو شعر و شاعری کیلئے کافی وقت مل گیا۔ اسی طرح جب مسلمانوں کے حکمران بزدل ہوں جو باطل سے دب کر خفیہ طور پر معاہدات کرتے ہوں اور مسلمان مجاہدین کو کچھ پیسوں کے عوض قیدی کے طور پر غیر مسلموں کے ہاتھوں فروخت کر دیتے ہوں تو ایسے لوگ ایک دن پوری مسلم قوم کا سودا کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے اس شرط پر کہ صلیبی افواج اُن حکمرانوں اور اُن کی فیملی کی جان بخشی کر دیں اور اُنھیں کسی یورپین ملک میں سیاسی پناہ (political asylum) عطا کر دیں۔

قرآن کے مطابق کن کن لیڈروں کی اطاعت نہ کی جائے؟

قرآن میں بے شمار آیات ایسی ملتی ہیں، جن میں ہمیں اللہ تعالیٰ نے بعض مخصوص افراد اور بعض مخصوص صفات رکھنے والے اشخاص (Leaders) کی اطاعت سے منع کیا ہے بلکہ ایسے لوگوں کو لیڈرشپ کی پوزیشن دینے سے ہی منع کیا گیا ہے۔اُن میں سے چند آیات یہاں پیش کی جاتی ہیں:

1۔ کافروں کی اطاعت نہ کی جائے (یا ایسے لیڈر جو واضح طور پر کفر کا ارتکاب کریں)

﴿ فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ ﴾ (سورہ الفرقان:52)

2۔منافقین کی اطاعت نہ کی جائے (مثلاً ایسے لوگ جو ظاہری طور پر تو مسلمانوں سے وفاداری کا دم بھریں لیکن درپردہ عیسائی، ہندو اور یہودی حکمرانوں کے ساتھ ملے ہوئے ہوں:

﴿ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ ﴾ (سورہ الاحزاب:1)

3۔ مکذبین (اسلام کی حقانیت کو جھٹلانے والوں مثلاً اسلامی شرعی سزاؤں کا انکار کرنے والے، چور کا ہاتھ کاٹنے کی سزا کے منکر، وغیرہ) کی اطاعت نہ کی جائے:

﴿ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ ﴾ (سورہ القلم:8)

4۔ مسرفین (فسادی افراد) کی اطاعت نہ کی جائے، جو اپنے اختیارات کے استعمال میں حدود و قیود کا کوئی خیال نہیں کرتے۔

﴿ وَلَا تُطِيْعُوْا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴾ (سورہ الشعراء:151)

5۔اہل کتاب کی اطاعت نہ کی جائے۔عیسائی اور یہودی مسلمانوں کو گمراہ کردیں گے:

﴿ اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقاً مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كَافِرِيْنَ ﴾ (سورہ آل عمران:100)

6۔آثم (بدکار) اور کفور (ناشکرے) لیڈر کی اطاعت نہ کی جائے:

﴿ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ آثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴾ (سورہ الدھر:24)

7۔جس لیڈر کا دل، خدا کی یاد سے خالی ہو، اُس کی اطاعت نہ کی جائے:

﴿ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا ﴾ (سورہ الکھف:28)

8۔ جو لیڈر خواہشات نفس کا پیرو کار ہے، اُس کی اطاعت نہ کی جائے:

﴿ وَاتَّبَعَ هَوٰهُ ﴾ (سورہ الکھف:28)

9۔جس لیڈر کا حکم، انتہا پسندی پر مبنی ہے اُس کی اطاعت نہ کی جائے:

﴿ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴾ (سورہ الکھف:28)

10۔نماز سے روکنے والے لیڈر کی اطاعت نہ کی جائے:

﴿ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰىo عَبْدًا اِذَا صَلّٰىo.......

﴿ کَلَّا لَا تُطِعْهُ ﴾ (سورہ العلق: 9 تا 19)

11۔ حَلَّاف (زیادہ قسمیں کھانے والا) اور مھین (پست بے وقعت) کی اطاعت نہ کی جائے:

﴿ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ﴾ (سورہ القلم: 10)

12۔ هَمَّاز (طعن کرنے والا)، مَشَّآء (چغلی کے ساتھ گھومنے والا) اور نَمِیم (چغل خور) کی اطاعت نہ کی جائے:

﴿ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيمٍ ﴾ (سورہ القلم: 11)

13۔ مَنَّاع لِلْخَیر (بھلائی سے روکنے والا) اور معتد (حد سے گزرنے والا) اَثِیم (بدکار) کی اطاعت نہ کی جائے:

﴿ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ﴾ (سورہ القلم: 12)

14۔ عُتُلّ (جفا کار) زَنِیم (بد اصل) کی اطاعت نہ کی جائے:

﴿ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ﴾ (سورہ القلم: 13)

15۔ اگر کوئی بھی ہمیں شرک اور حرام پر مجبور کرے (چاہے وہ ہمارے والدین ہی کیوں نہ ہوں) تو اُن معاملات میں کسی کی اطاعت نہیں کی جائے گی:

﴿ وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ﴾

(سورہ العنکبوت: 8، سورہ لقمان: 15)

کیا ہمیں ایک ہی بِل سے بار بار ڈسا جانا چاہیئے؟

آج مسلمانوں کو اللہ کی مدد اس لیے نہیں آ رہی کیونکہ مسلمان بار بار سیکولر سیاسی جماعتوں سے امیدیں لگاتے ہیں اور بار بار اُنہی سیاسی لیڈروں یا اُن کی اولادوں کو حکمران بننے کی دعوت دیتے ہیں حالانکہ حدیث میں واضح طور پر آیا ہے:

لَایُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَیْنِ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

''مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا۔''

اِس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ ایک مومن بہت ذہین ہوتا ہے اور وہ اپنے ماضی کے تجربات سے سبق حاصل کرتا ہے۔ لہٰذا اُس کی مؤمنانہ بصیرت کی وجہ سے ایک ہی راستے سے اُسے دوبارہ نقصان پہنچانا ممکن نہیں ہوتا۔ وہ مومن کامل نہیں ہے جو ایک ہی بل سے بار بار ڈسا جائے۔ آج پاکستان کی عوام کی اکثریت بار بار اُنہی سیاسی لیڈروں کو کرسی پر لا بٹھاتے ہیں جن سے ماضی میں اُنھوں نے خوب دھوکہ کھایا ہوتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان مسلم عوام کا ایمان مکمل نہیں ورنہ یہ کبھی ایک ہی سوراخ سے بار بار نہ ڈسے جاتے۔ مسلمانوں کو مغربی ممالک کے حکمرانوں اور دانشوروں نے کہا کہ اب زمانہ مہذب ہو گیا ہے، اسلئے اب اسلامی حکومت لانے کے لئے جہاد (bullet) کی آخر کیا ضرورت ہے؟ اب تو مسلمان ممالک کے عوام ووٹ اور جمہوریت (ballot) کے ذریعے اسلامی حکومت لا سکتے ہے۔ لیکن پھر کیا ہوا؟ وہی ہوا جو اقبال نے کہا تھا:

؎ تُو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر

مسلمانوں نے اپنے مغربی آقاؤں کے وعدے پر بھروسہ کرلیا اور الجزائر میں وہاں کی اسلامی پارٹی (FIS) نے جمہوری الیکشن میں واضح کامیابی حاصل کرلی تو مغربی طاقتوں سے وہاں کی اسلامی حکومت برداشت نہ ہوسکی۔ چنانچہ مغربی صلیبی ممالک کے اشارے پر الجزائر کی فوج نے ملک پر قبضہ کرلیا اور اسلامی تحریک کے کارکنوں کے الیکشن میں لگے ہوئے کروڑوں ڈالرز ضائع ہوگئے بلکہ فوج نے اُن کا قتلِ عام شروع کردیا۔ تب جاکر الجزائر کے مسلمانوں کو پتہ چلا کہ اسلامی نظام حکومت لانے کے لئے اُنھیں مغرب کے بتائے ہوئے ووٹ (ballot) کے طریقے کی بجائے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے بتائے ہوئے جہاد (bullet) کے طریقے کو اپنانا چاہئے تھا کیونکہ وہاں کی سیکولر فوج نے ہر صورت میں اپنے ہتھیار (bullet) اُن پر اُٹھانے تھے تو پھر کیوں نہ بے کسی کی موت مرنے کی بجائے ٹیپو سلطان کی طرح عزت اور شہادت کی موت مریں۔ البتہ الجزائر کے تجربے سے دنیا کے مسلمانوں نے پھر بھی سبق نہ سیکھا۔ فلسطین میں حماس کا جمہوری الیکشنوں (ballots) میں پھر وہی حال ہوا۔ اب حال ہی میں مصر میں اخوان المسلمون اُسی سوراخ سے پھر ڈسے گئے جس سے ماضی میں الجزائر کے مسلمان اور پھر فلسطین کے مسلمان ڈسے گئے تھے۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں مصر کا فرعون ظالم تھا کہ وہ صرف اُن کے لڑکوں کو قتل کردیا کرتا تھا:

﴿ سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءَ هُمْ وَنَسْتَحْيِي نِسَاءَ هُمْ ﴾ (الاعراف:۱۲۷)

''ہم اُن کے لڑکوں کو تو قتل کرڈالیں گے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیں گے''

لیکن مصر کے نئے دجالی دور کے فرعون جنرل فتح سیسی کی شقاوت اور درندگی نے یہ

تقسیم بھی ختم کردی ہے اور مسلمانانِ مصر کے شیر خوار بچوں سے لے کر ہماری مقدس بہنوں اور بیٹیوں تک کو اور نوجوانوں سے لے کر کمزور وضعیف بزرگوں تک ہر وہ فرد جو شریعت اسلامیہ کا نفاذ چاہتا تھا، اُس کو فرعون سیسی نے قتل کروا ڈالا۔ لہٰذا مصر میں جو کچھ ہوا وہ اسلام کی حاکمیت قائم کرنے کے لیے جمہوری طریقے (ballot) کی ناکامی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اِس سے پہلے ایسی بڑی اور بدترین ناکامی کی مثال نہیں ملتی۔ یہ الجزائر اور فلسطین میں ہونے والی ناکامی سے کہیں زیادہ بڑی اور بدتر ہے۔ اِس مرتبہ اخوان جمہوری طور پر مناصب صدارت و وزارت تک بھی پہنچ گئے اور انہوں نے پارلیمنٹ اور شوریٰ میں بھی اکثریت حاصل کرلی لیکن اِس سب کے باوجود انہیں قوت (bullet) کے ذریعے حکومت سے علیحدہ کردیا گیا۔ اِس واقعے کے تناظر میں ایک امریکی صحافی نے تسلیم کیا ہے کہ جمہوریت اور انتخابات کے متعلق مجاہدین جو کہتے ہیں وہ بالکل درست ہے۔ چنانچہ مصر میں وہاں کی سیکولر حکومت اور اُس کی سیکورٹی فورسز کے ہاتھوں ہونے والے مسلمانوں کے قتل عام پر پوری دنیا اور بالخصوص مغربی ممالک بشمول امریکہ نے جس طرح خاموشی اختیار کی ہے اُس پر تبصرہ کرتے ہوئے امریکی صحافی ڈیوڈ روڈ (David Rohde) لکھتا ہے:

> ''وائٹ ہاؤس کی طرف سے اِس ہفتے مصر کے مسلمان نوجوانوں کو بھیجا جانے والا پیغام بالکل واضح تھا کہ مجاہدین امریکی منافقت کے بارے میں جو کچھ بتارہے ہیں، وہ بالکل درست ہے۔ جمہوری اقدار تمہارے علاوہ سب پر لاگو ہوتے ہیں، انتخابات میں حصہ لینا فضول ہے۔''

Rohde, David (Aug. 15, 2013) "A feckless response to Egypt's avoidable massacre" Reuters (International Ed.)
http://blogs.reuters.com/david-rohde/2013/08/15/a-feckless-response-to-egypts-avoidable-massacre/

جمہوریت کے مطابق اکثریت ہمیشہ حق پر ہوتی ہے۔ آج جمہوریت نے کثرت رائے

کو (معاذ اللہ) خدائی کا مقام دیا ہوا ہے کہ اُس کا کوئی فیصلہ رد نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ اسی بنیاد پر مغربی ممالک میں بد سے بدتر قوانین کثرتِ رائے کے زور پر مسلسل نافذ کئے جاتے رہے ہیں بلکہ آج بھی نافذ کئے جا رہے ہیں۔ زنا جیسی بدکاری سے لے کر ہم جنسی جیسے گھناؤنے عمل تک کو اِسی بنیاد پر سندِ جواز عطا کی گئی ہے اور اِس طرزِ فکر نے دنیا کو اخلاقی تباہی کے آخری سرے تک پہنچا دیا ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿ وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ﴾

(سورۃ الانعام:۱۱۶)

''اور اگر آپ زمین والوں کی اکثریت کی اطاعت کریں گے تو وہ آپ کو اللہ کے راستے سے گمراہ کردیں گے۔''

کثرتِ رائے کو معیارِ حق قرار دینے کے خلاف اِس سے زیادہ واشگاف اعلان اور کیا ہو سکتا ہے؟ لیکن زمانے پر چھائے ہوئے نظریات سے مرعوب ہو کر مسلمانوں میں بھی یہ خیال تقویت پا گیا کہ جس طرف کثرتِ رائے ہوگی، وہ بات ضرور حق ہوگی لیکن ضروری نہیں اکثریت ہی ہر مرتبہ حق پر ہو۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی تالیفات اور مواعظ وملفوظات میں بہت سے مقامات پر اِس پھیلی ہوئی غلطی کی تردید فرمائی ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا:

''آج کل یہ عجیب مسئلہ نکلا ہے کہ جس طرف کثرتِ رائے ہو وہ بات حق ہوتی ہے۔ صاحبو! یہ ایک حد تک صحیح ہے مگر یہ بھی معلوم ہے کہ رائے سے کس کی رائے مراد ہے؟ کیا اُن عوام کالانعام کی؟ اگر اُنہی کی رائے مراد ہے تو کیا وجہ ہے کہ حضرت ہود علیہ اسلام نے اپنی قوم کی رائے پر عمل نہیں کیا، ساری قوم ایک طرف رہی اور حضرت ہود علیہ السلام ایک طرف۔ آخر اُنہوں نے کیوں توحید کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار نہ کی؟ کیوں تفریق قوم کا الزام سر لیا؟ اِس لئے کہ وہ قوم جاہل تھی، اُس کی رائے جاہلانہ رائے تھی۔''

(فضائل العلم والخشیۃ: ص ۳۰، معارف حکیم الامت: ص ۶۱۷)

ایک اور موقع پر اشرف علی تھانویؒ نے ارشاد فرمایا:

''(غزوۂ احد میں) اُن پچاس آدمیوں میں جو پہاڑ کی گھاٹی پر متعین تھے، اختلاف ہوا، بعض نے کہا کہ ہمارے بھائیوں کو فتح حاصل ہوگئی ہے، اب ہم کو گھاٹی پر رہنے کی ضرورت نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس غرض کے لیے ہم کو یہاں متعین کیا تھا وہ غرض حاصل ہوچکی۔ اِس لیے حکمِ قرار بھی ختم ہوگیا، اب یہاں سے ہٹنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقصود کی مخالفت نہ ہوگی اور ہم نے اب تک جنگ میں کچھ حصہ نہیں لیا تو کچھ ہم کو بھی کرنا چاہیے۔ ہمارے بھائی کفار کا تعاقب کر رہے ہیں، ہم کو مالِ غنیمت جمع کرلینا چاہیے، بعض نے اِس رائے کی مخالفت کی اور کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرمادیا تھا کہ میری اجازت کے بغیر یہاں سے نہ ہٹنا۔ اِس لیے ہم کو بدون آپ کی اجازت کے ہرگز نہ ہٹنا چاہیے، مگر پہلی رائے والوں نے نہ مانا اور چالیس آدمی گھاٹی سے ہٹ کر مالِ غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہوگئے، یہ اُن سے اجتہادی غلطی ہوئی اور گھاٹی پر صرف دس آدمی اور اُن کے ایک افسر رہ گئے۔ اِس واقعہ میں کثرتِ رائے غلطی پر تھی اور قلتِ رائے دراصل حق پر تھی، جو لوگ کثرتِ رائے کو علامتِ حق سمجھتے ہیں، وہ اِس واقعے سے سبق حاصل کریں۔''

(ذم النسیان: ص ۱۲، معارف حکیم الامت: ص ۶۱۸)

مضبوطی اور امانت داری:
ایک مسلم لیڈر کی لازمی صفات

موجودہ مسلمانوں میں مخلص لیڈروں کی انتہائی کمی ہے لیکن جب کبھی مخلص اور مذہبی لیڈر پاکستان میں اقتدار میں آجائیں تو مسلمانوں کو چاہیے کہ اُن کی بڑھ چڑھ کر اطاعت کریں کیونکہ سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر ڈالیں تو آپ دیکھیں گے کہ غزوہ اُحد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے 50 تیراندازوں کا ایک دستہ اُحد کے پہاڑ پر متعین فرمایا اور انھیں ہدایت کی:

''اگر تم لوگ دیکھو کہ پرندے ہماری لاشوں کی بوٹیاں نوچ رہے ہیں (یعنی مسلمانوں کو شکست ہوگئی ہے) تو پھر بھی تم لوگ اپنی یہ پوزیشن نہ چھوڑنا جب تک میں نہ کہوں اور اگر تم لوگ دیکھو کہ ہم نے دشمنوں کو شکست دے دی ہے اور اُن پر ہم چڑھ دوڑے ہیں پھر بھی تم اپنی یہ پوزیشن نہ چھوڑنا یہاں تک کہ میں تمھیں حکم نہ دے دوں'' (بخاری، کتاب الجهاد 1/426)

لیکن اُحد کے پہاڑ پر تیراندازوں کے دستے نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی کی تو اُس کے نتیجے میں کفار کی فوج کے کمانڈر خالد بن ولید نے پہاڑ کے پیچھے سے مسلمانوں پر حملہ کردیا اور مسلمانوں کی ابتدائی فتح فوراً شکست میں بدل گئی چنانچہ

اطاعتِ امیر بہت ضروری ہے۔

مسلمانوں کے امیر (حکمران) میں وہی دو صفات لازمی طور پر ہونی چاہیں جو حضرت موسیٰ کی ہونے والی بیوی نے اپنے والد شعیبؑ کے سامنے حضرت موسیٰ کے اندر گنوائی تھیں۔

قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ ○ (سورہ القصص:26)

(اُن دونوں عورتوں میں سے ایک نے اپنے باپ سے کہا ''ابا جان اِس شخص کو ملازم رکھ لیجئے، بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھیں وہی ہوسکتا ہے جو مضبوط اور امانت دار ہو۔'')

مضبوطی اور امانت داری، یہ دونوں صفات مسلم لیڈر میں ضرور ہونی چاہیے کیونکہ سید القوم خادمھم (قوم کا لیڈر اُس کا خادم ہوتا ہے)۔ مسلم لیڈر کو عوام کے سامنے اپنی ایک ایک پائی کا حساب دینا چاہیے۔ وہ امانت دار اتنا ہو کہ حکومتی خزانے سے اپنی تنخواہ کے لیے ایک پیسہ نہ لے۔ خوددار اتنا ہو کہ IMF سے پاکستان کے لیے مزید قرضہ نہ لے بلکہ پچھلے قرضے ادا کرنے کی فکر کرے۔ اُسے مضبوط اور نڈر اتنا ہونا چاہیے کہ جیسا قرآن میں فرمایا گیا ہے:

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ○

(سورہ الاحزاب:23)

''ایمان لانے والوں میں ایسے لوگ موجود ہیں جنھوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد کو سچا کر دکھایا ہے۔ اُن میں سے کوئی اپنی نذر پوری کر چکا اور کوئی وقت آنے کا منتظر ہے۔ انہوں نے اپنے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔''

ایسے ہی ''قوی'' اور ''امین'' حکمرانوں میں سے ایک غیاث الدین بلبن تھا جو خاندانِ غلاماں کا آٹھواں حکمران تھا (دورِ حکومت 1266ء سے 1286ء)۔ اُس نے اپنے دورِ حکومت میں مرکزی حکومت کو مضبوط کیا اور ملک میں امن و امان کو قائم کیا۔ وہ بہت مدبر، بہادر اور انصاف پسند بادشاہ تھا۔ علماء کا قدردان تھا۔ اُسی کے عہد میں شراب کی خرید و فروخت اور راگ رنگ (میوزک) کی محفلوں کی اجازت نہ تھی۔ مجرموں کو سخت سزائیں دیتا تھا لیکن رعایا کے لیے بڑا فیاض تھا۔

بلبن کے نزدیک ہر بادشاہ کا سب سے بڑا فرض ملک میں عدل و انصاف کی ترویج تھا اور اُس کا وہ سختی سے اہتمام کرتا۔ اُس کے زمانے میں جن امیروں، سرمایہ داروں اور جاگیرداروں نے غریبوں پر ظلم کیے، بلبن نے اُنھیں سخت سزائیں دیں۔ بدایوں کے ایک جاگیردار نے ایک نوکر کو اتنا پٹوایا کہ وہ مر گیا۔ جب بلبن بدایوں گیا اور مقتول کی بیوہ نے فریاد کی تو بلبن نے جاگیردار کے ساتھ بالکل وہی سلوک کیا جو اُس نے اپنے نوکر کے ساتھ کیا تھا اور جس سرکاری خبر رساں نے اِس واقعے کی خبر بادشاہ کو نہ دی تھی اُسے بھی عبرت ناک سزا دی۔ اُس کے زمانے میں اس طرح کے کئی واقعات ہوئے۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اگر میرے بیٹے ایسا کریں گے تو میں اُن کے ساتھ بھی یہی سلوک کروں گا۔

عصرِ حاضر کے اسلامی مورخ شیخ محمد اکرام صاحب اپنی کتاب ''آبِ کوثر'' میں رقمطراز ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بلبن نہ صرف ''امین'' تھا بلکہ ''قوی'' بھی تھا کہ اُس وقت کی دنیا کی سُپر پاور یعنی منگولوں کا حکمران ہلاکو خان بھی غیاث الدین بلبن کا مقابلہ کرنے سے گھبراتا تھا:

> ''بلبن کا دوسرا بڑا کام منگولوں کا سدِ باب تھا۔ اُس کے پیشرو ناصر الدین محمود کے زمانے میں منگول کئی بار ہندوستان آئے تھے۔ لاہور کو اُنہوں نے کئی بار لوٹا اور وہاں کے قلعہ کو تباہ و برباد کر دیا۔ اُس زمانے کا سب سے اہم مسئلہ یہی تھا کیونکہ

اب خطرہ فقط منگولوں کے منتشر دستوں اور اُن کے منچلے سرداروں سے نہ تھا بلکہ ہلاکو خان کی آنکھیں بھی ہندوستان کی طرف اُٹھتی تھیں لیکن بلبن کے سلیقۂ جہانگیری کے سامنے اُس کی ہمت نہ پڑی کہ اُدھر قدم بڑھائے۔ بلبن نے فوج کی با قاعدہ تنظیم کی۔ عہدہ داروں اور امیروں کو مجبور کیا کہ وہ سپاہی اور سوار اور اُن کا ساز و سامان با قاعدہ رکھیں۔ سلطنت کی شمال مغربی سرحد پر جابجا قلعے تعمیر کرائے۔ لاہور کے قلعہ کو دوبارہ پختہ کیا اور مغربی پنجاب میں اپنے سب سے قابل اور معتمد جرنیل معین کیے تا کہ وہ سرحد کی حفاظت کریں۔

بلبن کو شکار کا بڑا شوق تھا اور اُس میں وہ بڑا اہتمام کرتا۔ سردی کے موسم میں وہ ہر روز ہزاروں سواروں کے ساتھ شکار کو جاتا اور دہلی سے ریواڑی تک بلکہ اُس سے پرے گھوڑ دوڑ اور شکار کے بعد واپس آتا۔ کسی نے ہلاکو خان سے بغداد میں بلبن کے شکار کا ذکر کیا تو ہلاکو خان نے کہا کہ بلبن ایک پختہ کار بادشاہ ہے۔ بظاہر تو وہ شکار کے لیے جاتا ہے لیکن اُس کا اصل مقصد سواری، نشانہ بازی اور سخت محنت کی مشق جاری رکھنا ہے تا کہ جب لڑائی کا موقع آئے تو وہ اور اُس کے سوار اور اُن کے گھوڑے تیار بر تیار رہوں۔''

(آبِ کوثر از شیخ محمد اکرام، ادارہ ثقافت اسلامیہ 2006ء، لاہور)

''آ تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ اُمم کیا ہے''

آج امت مسلمہ کا زوال اپنی آخری حدوں کو چھو رہا ہے۔ اُن کی پستی حد سے گزر چکی ہے۔ مزید افسوس ناک بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت ایسی خوابِ غفلت میں مدہوش ہے کہ اُسے اپنے کاروان کے لُٹ جانے کا احساس تک نہیں:

؎ وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

ہمارے زمانے کے مسلمانوں نے اپنے کانوں کو موسیقی کی سُریلی آوازیں اور نغمے سُن کر، اپنی آنکھوں کو ٹی وی، کیبل اور انٹرنیٹ کے آگے بیٹھ کر اور اپنے معدوں کو کھانے پینے کی دعوتوں میں اتنا مشغول کر رکھا ہے کہ امتِ مسلمہ کا درد اُن کے دلوں میں کس طرح اور کس وقت آئے؟ حضرت علیؓ بن ابی طالب نے فرمایا تھا:

اَلنَّاسُ نِيَامٌ فَاِذَا مَاتُوْا اِنْتَبَهُوْا.

(لوگ سو رہے ہوتے ہیں اور جب وہ مرتے ہیں تو وہ جاگ اُٹھتے ہیں)

آج مسلمان بھی کچھ اسی قسم کے خوابِ غفلت میں مدہوش ہیں۔ اُن کے زوال کے اسباب تو بہت سے ہیں لیکن یہاں پر ہم صرف مسلمانوں میں باہمی نااتفاقی (disunity) اور اُس کے زوال سے گہرے تعلق پر بحث کریں گے۔

تفرقہ بازی اور زوال کا گہرا تعلق

(Disunity & Decline: A Direct Proportionality)

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ (المتوفی 1922ء) کو برطانوی سامراج نے آزادیٔ ہند میں جہاد کرنے کی پاداش میں مالٹا کے جزیرے میں قید کر ڈالا تھا۔ جب وہ مرنے کے قریب تھے تو انھیں برطانوی سامراج نے جیل سے رہا کردیا۔ رہا ہوکر شیخ الہند نے مسلمانوں کے ایک اجتماع میں فرمایا: ''جہاں تک میں نے جیل کی تنہائیوں میں غور وفکر کیا ہے، میں اِس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسلمانوں کے زوال کے دو ہی اسباب ہیں:

1۔ مسلمانوں نے قرآن کو چھوڑ دیا ہے۔

2۔ مسلمانوں میں اتحاد نہیں ہے۔''

اگر ہم اِن دونوں اسباب پر غور کریں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن فی الحقیقت اِس لیے نازل فرمایا تھا کہ اس پر عمل کیا جائے لیکن آج مسلمانوں نے اس کتاب کو ایک ''رسوماتی کتاب'' (Ceremonial Book) بنا ڈالا ہے۔ قرآن تو عمل کی کتاب (Book of Action) ہے۔ لیکن مسلمان اِس کتاب کو مخصوص تہواروں اور رسموں پر ہاتھ لگاتے ہیں۔ کبھی دلہن کو شادی کے وقت قرآن کے نیچے سے گزارا جاتا ہے (چاہے اِس کا لباس کتنا عریاں ہو اور نامحرم مردوں کو دعوتِ نظارہ دے رہا ہو)، کبھی بزنس کے افتتاح پر قرآن پڑھا جاتا ہے (چاہے مستقبل میں اِس بزنس کی رگ رگ میں حرام دوڑے)،

کبھی کسی مریض کی جان کنی کے وقت اُس کے سرہانے اُونچی آواز سے سورہ یٰس کی تلاوت کی جاتی ہے (حالانکہ بہت ممکن ہے کہ اُس شخص نے اپنی تمام زندگی اسی قرآن کے احکامات کی خلاف ورزی میں گزاردی تھی)۔ کبھی عید ملن پارٹی یا برتھ ڈے پارٹی کی ابتداء تلاوتِ قرآن سے کی جاتی ہے اور پھر اُسی پارٹی میں گلوکاروں کے گانے، موسیقی اور جوان لڑکوں لڑکیوں کا آپس میں اختلاط اور بے پردگی کے ایسے ایسے مناظر دیکھنے میں آتے ہیں کہ الامان والحفیظ!!! حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن انہی لوگوں کو صحیح فائدہ دیتا ہے جو اُس پر عمل بھی کرتے ہیں۔ قرآن سے صرف زبانی تعلق (Lip Service) سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

مسلمانوں کے زوال کی دوسری بڑی وجہ اُن کی آپس کی نااتفاقی ہے۔ انگریزی کا محاورہ (Unity is Strength) زبانوں پر چڑھ چڑھ کر کتنا پامال ہو چکا ہے لیکن آج بھی یہ سچ ہے کہ "اتحاد میں طاقت ہے"۔ اقوامِ عالم کی تاریخ کا مطالعہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ جب بھی کسی قوم میں اتحاد ختم ہوا، اُس قوم کا خورشید بہت جلد غروب ہو گیا۔ یہ اللہ کی ہمیشہ سے سنت رہی ہے اور یہ سُنَّۃُ اللہ جس طرح دوسری اقوام پر صادق آتی ہے اُسی طرح مسلمان قوم بھی اُس سے مستثنیٰ نہیں۔ قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴾ (سورہ فاطر: 43)

(پس تم اللہ کے طریقے میں ہرگز کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے)

تاریخ کا سبق

آ یئے ہم تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں کیونکہ قرآن ہمیں تاریخ سے سبق سیکھنے کا درس دیتا ہے۔ 1453 عیسوی میں مسلمانوں نے سلطان محمد فاتح ؒ کی قیادت میں قسطنطنیہ پر حملہ کیا اور وہ محاصرہ 53 دنوں تک جاری رہا۔اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرما دیا ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ﴾ (سورہ العنکبوت 69)
(جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے اُنھیں ہم اپنے راستے ضرور دکھائیں گے۔)

یعنی جو لوگ بحث مباحثے کی بجائے کام کرتے ہیں اور صحیح سمت میں جدوجہد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اُن کی ضرور مدد کرتا ہے۔عثمانی خلیفہ سلطان محمد فاتح ؒ نے صرف 21 برس کی عمر میں 1453ء میں عیسائیوں کے عظیم مرکز قسطنطنیہ کو فتح کر کے بازنطینی سلطنت (Byzantine Empire) کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کردیا۔مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان اِس جنگ میں اور مسلمانوں کی بے مثال فتح میں سلطان محمد فاتح کی جنگی حکمت عملی اور دو سال کی مسلسل محنت شامل تھی۔اُن دو سالوں میں سلطان محمد فاتح ایک پل چین سے نہیں بیٹھا۔اُس نے جب دیکھا کہ قسطنطنیہ کے قلعے کی طرف جانے کے لیے سمندری راستہ بند ہے تو سلطان محمد فاتح راتوں رات خشکی کے راستے اپنے بحری بیڑے کے بحری جہازوں کو جانوروں کی چربی لگا کر لکڑیوں پر سے پھسلا کر قلعہ قسطنطنیہ کے سامنے لے آیا اور قلعے پر بمباری شروع کردی۔

وہ مسلمانوں کے عروج کا دور تھا کیونکہ وہ متحد تھے۔اُس کے برعکس قسطنطنیہ

(Constantinople) کے عیسائی عوام، مذہبی لیڈروں اور حکمرانوں میں نا اتفاقی تھی (جس طرح آج ہم مسلمان اُمت کو دیکھ سکتے ہیں)۔ محاصرے کے دور میں بجائے اس کے کہ قسطنطنیہ کے عیسائی، مسلمانوں کے خلاف متحد ہو کر منصوبے بنائیں، قسطنطنیہ کے عیسائی بادشاہ کے دربار میں مذہبی رہنماؤں اور وزیروں کی آپس میں درج ذیل فروعی مسائل پر شدید اور گرما گرم بحث ہو رہی تھی:

1۔ کیا حضرت عیسیٰ کو جنم دینے کے بعد بھی مریمؑ کو کنوارہ (virgin Mary) کہا جائے گا یا نہیں؟

2۔ ایک سوئی کی نوک پر کتنے فرشتے سما سکتے ہیں؟

3۔ حضرت عیسیٰؑ نے اِس دنیا میں جو آخری روٹی کھائی تھی (The Last Supper) وہ روٹی خمیری یا فتیری؟

ایسی تفرقہ بازی کا انجام وہی ہوا جو ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ سلطان محمد فاتح، عیسائی سلطنت کے دل میں خنجر کی طرح پیوست ہو گیا اور مسلمانوں نے قسطنطنیہ فتح کر لیا۔

اب ہم تاریخ کے ایک دوسرے دور کی طرف آتے ہیں۔ جب برطانیہ نے 1800ء کے اوائل میں برصغیر میں اپنے پنجے گاڑنے شروع کیے تو یہاں کے مسلمان نا اتفاقی اور تفرقہ بازی میں پڑے ہوئے تھے۔ انھیں اس بات کی خبر تک نہ تھی کہ برطانیہ کا دیوِ استبداد اُن کے سر پر کھڑا ہے۔ جن مسائل پر مسلمان بال کی کھال اُتارنے اور آپس میں مناظرہ بازی کرنے میں مشغول تھے، اُن میں سے چند ایک مثالیں ملاحظہ ہوں:

1۔ امکانِ کذب کا مسئلہ: یعنی کیا اللہ کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ جھوٹ بول سکے؟

2۔ امتناع النظیر کا مسئلہ: کیا اللہ تعالیٰ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا ایک اور انسان پیدا کر سکتا ہے؟

یہ تو مذہبی لوگوں کا حال تھا لیکن بے دین اور دنیا پرست مسلمان بھی نا اتفاقی کی اِس بیماری سے خالی نہ تھے جس کی مسلمانوں کی تاریخ سے ہی ایک مثال ملاحظہ ہو:

برصغیر میں ہی جب 1793ء میں نادرشاہ درانی (افغانی بادشاہ) نے مغل مسلم سلطنت کے دارالخلافہ دہلی کا محاصرہ کیا ہوا تھا تو اُس وقت کے بادشاہ محمد شاہ رنگیلا کے دربار میں ایک نہایت اہم مسئلے پر بحث مباحثہ ہو رہا تھا اور دونوں طرف کے مخالفین اپنے اپنے حق میں دلائل دے رہے تھے۔ مسئلہ یہ نہ تھا کہ نادرشاہ کا مقابلہ کس طرح کیا جائے۔ مناظرہ اِس بات پر ہو رہا تھا کہ ایک گلوکارہ ''جدن بائی'' اچھا رقص (Dance) کرتی ہے یا شو بز کی دنیا کی ایک دوسری فنکارہ ''کملادیوی'' اچھا ناچتی ہے؟ حکمران طبقے کے لوگ اور تمام معاشرے کے افراد موسیقی، گانے بجانے اور آپس کے اختلافات میں اِس قدر ڈوبے ہوئے تھے کہ اُنہیں یہ احساس تک نہیں تھا کہ موت اُن کے سروں پر منڈلا رہی ہے۔ محاصرے کے چند روز بعد نادرشاہ نے دہلی فتح کر لیا تو اُس کے سپاہیوں نے ہزاروں فن کے دلدادہ مسلمانوں کا قتل عام کیا۔

قوموں کی تاریخ میں ایسی نا اتفاقیوں کا نتیجہ وہی نکلتا ہے جو ہمیشہ سے اللہ کی سنت رہی ہے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے برصغیر کے مسلمانوں کی گردنوں پر برطانیہ کے حکومت کے ہاتھوں طوقِ غلامی مسلط کر دیا۔ اسی طرح جب مشرقِ وسطیٰ کے عربوں نے پہلے عرب قومیت پرستی کی وجہ سے خلافتِ عثمانیہ کے مسلم ترک فوجیوں کے سینوں پر گولیاں چلائیں اور پھر حکومت کی ہوس میں آپس میں لڑنا شروع ہو گئے تو بالآخر مشرقِ وسطیٰ کی متحدہ ریاستیں، ''مشرقِ وسطیٰ کی علیحدہ ریاستوں'' (Disunited States of Middle East) میں بدل گئیں۔ بقول اقبال:

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

نا اتفاقی کی بیماری کے لیے نسخۂ کیمیا

آج اُمت مسلمہ کے جسم کا دفاعی نظام (Immune System) انتہائی کمزور ہو چکا ہے بلکہ اِس حد تک کہ ایسا لگتا ہے کہ اُمت کے دفاعی نظام نے اُسی طرح کام کرنا چھوڑ دیا ہے جیسے کسی Immunodeficiency کی بیماری میں ہوتا ہے۔ ایک صحت مند جسم کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ اُس جسم کے دفاعی خلیات (Antibodies) ماضی سے سبق سیکھتے ہیں۔ اینٹی باڈیز کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ جب بھی کوئی وائرس یا کوئی جرثومہ جسم پر حملہ آور ہوتا ہے تو وہ اُس کی شناخت اپنے اندر محفوظ کر لیتی ہیں Memory B cells کی صورت میں اور مستقبل میں وہی جرثومہ (وائرس) اگر ہمارے جسم پر حملہ آور ہو تو اینٹی باڈیز اپنے ماضی سے سبق سیکھ کر اُس وائرس کا متحد ہو کر مقابلہ کرتی ہیں۔ یعنی وہ اینٹی باڈیز ایک تو تاریخ سے سبق سیکھتی ہیں (جس بات کی درس ہمیں قرآن دیتا ہے) اور دوسرے، وہ اینٹی باڈیز ہمیشہ متحد ہو کر دشمن کا مقابلہ کرتی ہیں۔ اینٹی باڈیز کبھی اِس بات پر نہیں جھگڑتیں کہ اُن میں سے IgG بہتر ہے یا IgA بہتر ہے یا IgM (یہ سب اینٹی باڈیز کی مختلف اقسام ہیں)۔

ہم لوگ مسلمانوں کی ذلت و شکست کا سو فیصد ذمہ دار غیر مسلموں کو نہیں ٹھہرا سکتے۔ اگر چار آدمیوں پر وائرس حملہ آور ہوتا ہے اور ایک بیمار ہو جاتا ہے تو ہم وائرس کو مورد الزام نہیں ٹھہرائیں گے۔ آخر باقی تین آدمی کیوں بیمار نہ ہوئے۔ دراصل اُس بیمار ہونے والے شخص کے جسم کا اپنا دفاعی نظام کمزور تھا اور وہ شخص خود بد پرہیز تھا جبکہ باقی تین اشخاص کے جسم کا دفاعی نظام مضبوط:

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مناجات
(اقبال)

اسی کے متعلق امام شافعی نے اپنے ایک شعر میں کہا تھا:

نُعِيْبُ زَمَانَنَا وَالعَيْبُ فِيْنَا
وَمَالِزَمَانِنَا عَيْبٌ سِوَانَا
(دیوان الشافعی)

(ہم زمانے میں عیب نکالتے ہیں جبکہ عیب ہم میں ہے
اور زمانے میں ہم سے بڑا کوئی عیب نہیں ہے)

بلکہ اسی حقیقت کی طرف ایک اشارہ شیکسپئر کے کھیل "Julius Caesar" میں کیسیئس (Cassius) نے بروٹس (Brutus) کے سامنے کیا تھا:

"The fault, dear Brutus, is not in our stars but in ourselves."
(Julius Caesar, Act 1, Scene 2)

(ڈیئر بروٹس، خامی ہمارے ستاروں میں نہیں، بلکہ خود ہمارے اندر ہے۔)

دوسری اقوام پر اعتراض کرنا بہت آسان کام ہے لیکن اپنی اصلاح بہت مشکل۔ یہی وجہ ہے کہ جب مشہور صحابی حضرت حذیفہؓ بن یمان سے پوچھا گیا کہ یہ آیات ''اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی لوگ کافر ہیں......وہی لوگ ظالم ہیں......وہی لوگ فاسق ہیں'' (سورہ المائدہ کی آیات) کس کے بارے میں ہیں تو انہوں نے جواب دیا: ''یہ ہمارے (مسلمانوں کے) بارے میں ہیں۔'' لوگ بولے: ''مگر یہ تو اہل کتاب کے بارے میں ہے۔ اِن آیات میں چونکہ اُن سے گفتگو کی جارہی ہے''۔ حضرت حذیفہؓ نے یہ سُن کر فرمایا:

''ہاں، میٹھا میٹھا سب تمہارے لیے ہے جبکہ کڑوا کڑوا سب اُن کے لئے، کہ اگر تم اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلہ نہ کرو تو تم کافر نہیں ہوگے، جب کہ یہود و نصاریٰ کتاب الٰہی کے مطابق فیصلہ نہ کرنے کی وجہ سے کافر ہوگئے۔ ہرگز نہیں! اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تم اُنہی کے طریقے پر قدم بقدم چلو گے۔''

(الابانة الکبریٰ لابن بطة، ج 3: ص 35 رقم: 1011۔ تفسیر ابن ابی حاتم، ج: 22 ص 295 رقم: 6464 ۔ مستدرک الحاکم، ج: 7 ص 350 رقم: 3175۔ یہ حدیث بخاری اور مسلم کی شرائط پر صحیح کے درجے پر آتی ہے۔)

صحابہ کرام آپس میں فروعی مسائل میں جھگڑتے نہیں تھے بلکہ کرنے کا اصل کام کرتے تھے یعنی وہ معاشرے میں نیکی کا حکم کرتے تھے اور معاشرے میں مروّج برائیوں کے خلاف جہاد کرتے تھے۔ اِس سلسلے میں مولانا انور شاہ کاشمیریؒ کی نصیحت بڑی وجد آفرین ہے جو مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے اپنی کتاب ''وحدتِ اُمت'' میں بیان فرمائی ہے۔ مفتی محمد شفیع مرحوم و مغفور فرماتے ہیں کہ میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیریؒ کی خدمت میں ایک دن نماز فجر کے وقت اندھیرے میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت سر پکڑے ہوئے بہت غمزدہ بیٹھے ہیں۔

میں نے پوچھا: ''مزاج کیسا ہے؟''

اُنہوں نے کہا کہ ہاں ٹھیک ہے میاں، مزاج کیا پوچھتے ہو عمر ضائع کردی......

میں نے عرض کیا: ''حضرت! آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں اور دین کی اشاعت میں گزری ہے۔ ہزاروں آپ کے شاگرد علماء ہیں جو آپ سے مستفید ہوئے اور خدمت دین میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی۔'' تو حضرت نے فرمایا کہ ''میں تمہیں صحیح کہتا ہوں کہ اپنی عمر ضائع کردی!''

میں نے عرض کیا کہ حضرت اصل بات کیا ہے؟ تو مولانا انور شاہ کاشمیریؒ نے فرمایا:

''ہماری عمروں کا، ہماری تقریروں کا، ہماری ساری کوششوں کا خلاصہ یہ رہا ہے کہ

دوسرے ملکوں پر حنفی مسلک کی ترجیح قائم کردیں، امام ابو حنیفہ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں، یہ تھا محور ہماری کوششوں کا،تقریروں کا اور علمی زندگی کا!......

اب غور کرتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی! ارے میاں اس بات کا کہ کون سا مسلک صحیح تھا اور کون سا خطا پر، اس کا راز تو کہیں حشر میں بھی نہیں کھلے گا اور نہ دنیا میں اس کا فیصلہ ہوسکتا ہے اور نہ ہی قبر میں منکر نکیر پوچھیں گے کہ رفع یدین حق تھا یا ترک رفع یدین حق تھا؟ (نماز میں) آمین زور سے کہنا حق تھا یا آہستہ کہنا حق تھا، برزخ میں بھی اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا اور قبر میں بھی یہ سوال نہیں ہوگا، روزِ محشر اللہ تعالیٰ نہ امام شافعیؒ کو رسوا کرے گا نہ امام ابو حنیفہؒ کو، نہ امام مالکؒ کو، نہ امام احمد بن حنبلؒ کو......اور نہ میدانِ حشر میں کھڑا کر کے یہ معلوم کرے گا کہ امام ابو حنیفہؒ نے صحیح کہا تھا یا امام شافعیؒ نے غلط کہا تھا، ایسا نہیں ہوگا۔

تو جس چیز کا نہ دنیا میں کہیں نکھرنا ہے نہ برزخ میں نہ محشر میں، اُس کے پیچھے پڑ کر ہم نے اپنی عمر ضائع کردی اور جو "صحیح اسلام" کی دعوت تھی، جو سب کے نزدیک مجمع علیہ اور وہ مسائل جو سبھی کے نزدیک متفقہ تھے اور دین کی جو ضروریات سبھی کے نزدیک اہم تھیں، جن کی دعوت انبیاء کرام لے کر آئے تھے، جن کی دعوت کو عام کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا، وہ منکرات جن کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی تھی، آج اُس کی دعوت ہی نہیں دی جارہی، یہ ضروریاتِ دین تو لوگوں کی نگاہوں سے اُوجھل ہورہی ہیں اور اپنے اغیار سبھی دین کے چہرے کو مسخ کررہے ہیں اور وہ منکرات جن کو مٹانے میں ہمیں لگے ہونا چاہیے تھا وہ پھیل رہے ہیں، گمراہی پھیل رہی ہے، الحاد آرہا ہے، شرک و بت پرستی چلی آرہی ہے، حرام وحلال کا امتیاز اُٹھ رہا ہے لیکن ہم لگے ہوئے ہیں ان فرعی وفروعی بحثوں میں!......اس لئے غمگین بیٹھا ہوں اور محسوس کررہا ہوں کہ عمر ضائع کردی۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کا دفاعی نظام بہت مضبوط تھا اور وہ لوگ

دشمنوں کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح مضبوط ہوتے تھے کیونکہ رسول اللہ نے اُن لوگوں کو قرآن اور سنت کے حفاظتی ٹیکے لگائے تھے۔ بقول مولانا حالی:

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
وہ اِک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

آج ایک بار پھر مسلمانوں کو ہر روز قرآن اور سنت کے حفاظتی ٹیکوں کی ضرورت ہے تاکہ اُن کا روحانی دفاعی نظام پھر سے مضبوط ہو سکے اور عالمِ کفر کے وائرس، مسلمان اُمت کے جسم کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں۔ قرآن کے مطابق:

﴿ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ﴾

(سورہ آلِ عمران: 103)

(تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو)

اور اگر کبھی آپس میں اختلاف ہو بھی جائے تو ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ﴾ (سورۃ النساء: 53)

(پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اُسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو۔)

شیخ عبداللہ عزام شہید رحمہ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"اے مسلمانوں! پس اس حالت میں مرو کہ تم مجاہد ہو، نہ کہ اِس حال میں کہ تم لوگوں کا گوشت کھا رہے ہو، جیسا کہ علامہ ابنِ عساکر نے فرمایا تھا:

"علماء اور لوگوں کا گوشت زہر ہے اور جو کوئی لوگوں کے رازوں کو چاک کر کے یہ

گوشت کھاتا ہے تو اُس کے بارے میں اللہ کی سنت معروف ہے۔ اور جو کوئی مسلمانوں کے پیچھے اُن کی عیب گوئی میں زبان چلاتا ہے اللہ اُسے موت سے پہلے ہی دل کی موت سے دوچار کر دیتا ہے۔''

اللہ سے اِس حال میں نہ ملو کہ تمہاری زبان سے لوگوں کے خون سے چُو سے گئے قطرے ٹپک رہے ہوں، اور نہ ہی اِس حال میں کہ تمہارے بھائیوں کا گوشت تمہارے دانتوں میں پھنسا ہوا ہو، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خدا کی قسم میں تم دونوں کے دانتوں میں اُس (شخص) کا گوشت دیکھ رہا ہوں۔'' جب کسی نے کہا کہ یہ شخص گنہگار ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم دونوں نے اپنے ساتھی کے گوشت سے اپنا پیٹ بھرا۔ خدا کی قسم، میں تم دونوں کے دانتوں میں اُس کا گوشت دیکھ رہا ہوں۔''

آج مسلمانوں کو اپنی انا (Ego) کی قربانی دینا ہوگی۔ صحابہ کرام کی زندگی میں ہمیں اَنا نظر نہیں آتی۔ آج دنیا کی سب سے طویل عمارت ملیشیا میں یا دبئی میں یا کینیڈا میں نہیں بلکہ خود مسلمانوں کے اندر ہے یعنی ہر شخص کی اپنی اَنا کی عمارت!!! ہمیں شہد کی مکھیوں اور چیونٹیوں سے معاشرے میں اپنی ذات کی قربانی دے کر دوسرے کے لئے زندہ رہنے کا درس سیکھنا ہوگا۔ ہمیں امت مسلمہ کے ماضی کی غلطیوں سے سبق سیکھنا ہوگا ورنہ وہی ہوگا جو ہسپانوی نژاد امریکی فلسفی جورج سنتایانا (George Santanyana) نے کہا تھا:

"Those who do not remember the past are condemned to repeat it."

(جو لوگ ماضی سے سبق نہیں سیکھتے۔ فطرت اُن پر ماضی کے حالات دوبارہ مسلط کر کے اُن کو ماضی یاد کرواتی ہے۔)

اُمتِ مسلمہ کی بے حسی، دعاؤں کے آئینے میں

اکتوبر 2001ء میں صلیبی ممالک نے گیارہ ستمبر 2001ء کے حملے کو بہانہ بنا کر افغانستان پر حملہ کر دیا تھا اور افغان عوام کا بے دریغ خون بہانا شروع کر دیا تھا۔ اُس موقع پر پاکستان کی عوام کیا کر رہی تھی اور اُنھوں نے اپنے مسلمان ہمسایوں کا کس حد تک ساتھ دیا، اِس کو ایک دردمند بھائی کی ایک دُعا میں سمویا جا سکتا ہے۔ یہاں پر یہ دُعا کچھ ترامیم کے ساتھ پیش کی جاتی ہے کیونکہ ہم اِس دعا کے آئینے میں اُمتِ مسلمہ کی بے حسی کا مشاہدہ کر سکتے ہیں:

''اے اللہ ہمیں معاف کر دے۔ ہم کمزور ہیں عاجز ہیں عاصی ہیں خطا کار ہیں پر تیری رحمتوں کے سزاوار ہیں۔ ہمیں معاف کر دے کہ ہم نے تیرے بندے بیچ دیئے۔ ڈیڑھ کروڑ مسلمان فروخت کر دیئے۔ سارے افغان مول دے دیئے۔ اُن کی جان مال عزت آبرو بھی بیچ دی۔ انہیں درندوں اور بھیڑیوں کے حوالے کر دیا تو یقین کر ہم یہ نہ کرتے مگر مجبور تھے۔ کمزور تھے ڈٹ نہ سکے۔ عاجز تھے لڑ نہ سکے۔ عاصی تھے بول نہ سکے اور خطا کار تھے نبھا نہ سکے۔ لیکن اے اللہ تو دلوں کے حال جانتا ہے۔ تجھے معلوم ہے ہم مجبور تھے۔ یہ نہ کرتے تو کیا کرتے۔ تجھ سے تو پیار تھا پر جان ہمیں پیاری تھی۔ ہمیں ٹی وی ڈرامے دیکھنے دے اور ہم سے درگزر فرما، ہم جہاد نہیں کر سکتے تھے۔ اے ماننے والوں کے آقا پھر بھی ہم پر رحمتیں نازل فرما۔ جو غلطی ہو گئی اُسے بھول جا۔ ہم بھول گئے ہیں کام دھندوں میں لگ گئے ہیں۔ تو بھی بھول جا۔ اِسے پھر کبھی دیکھیں گے۔

اے اللہ، اِس وقت تو ہماری نمازیں دیکھ اور خوش ہوجا۔ ہمارے روزے دیکھ اور راضی ہوجا۔ ہماری خیرات پر نظر رکھ اور کرم کردے۔ ہمارے صدقات قبول کر اور رحم برسادے۔ ہماری قوالیاں قبول فرما۔ نعرے متبول فرما۔ تقریریں اور قرادیدیں منظور کرلے۔ مظاہرے اور جلوس دیکھ۔ ہمارے دھرنوں اور رواویلوں پر بخش دے کیونکہ یہ سب بڑی بے ضرر چیزیں ہیں، اِنھوں نے آج تک کبھی کچھ نہیں بدلا۔ تو یقین کر ہم دُکھی ہیں۔ بے گناہ افغانوں کی شہادت پر مل کر روتے ہیں پھر مل کے کھاتے ہیں۔ اے اللہ ہمارے آنسو قبول کرلے۔ ہمارے دکھ قبول کرلے اور اُن کا سب ثواب افغانوں کو دے دے۔

اے مولا ہمارے عمل پر مت جا، زبان کا یقین کر۔ دلوں کو مت دیکھ، دماغ کی داد دے۔ کردار پر مت جا، باتوں سے مان لے۔ اخلاق نہ دیکھ، مجبوریوں پر دھیان رکھ۔ اے اللہ تو یقین رکھ ہم شہیدوں پر روئیں گے۔ کفن بھیجیں گے۔ لحد پر پھول چڑھائیں گے۔ اگربتی جلائیں گے۔ مسور کی دال چھڑکیں گے۔ پانی ڈالیں گے۔ کتبہ لگائیں گے۔ نوحے پڑھیں گے۔ آنسو بہائیں گے۔ لوٹیں لگائیں گے۔ کپڑے پھاڑیں گے۔ بال نوچیں گے۔ جلسے کریں گے۔ تعزیت بھیجیں گے۔ غم کھائیں گے۔ فاتحہ کریں گے۔ دیگیں پکائیں گے۔ قرآن خوانی کریں گے۔ تیجہ منائیں گے۔ چہلم سجائیں گے۔ برسی منائیں گے۔ لیکن اے اللہ تجھے تیرا واسطہ ہمیں جہاد کے لئے نہ کہہ۔ اسلامی رشتے یاد نہ دلا۔ ہم کمزور دل ہیں، روپڑیں گے۔ ہمیں چپ رہنے دے۔ تو اللہ ہے تو ہی ان کی مدد کر۔ ہم پر بوجھ نہ ڈال۔ ہمارے کاندھے کمزور ہیں، دل نرم ہیں۔ اے اللہ، تُو ہمارے اوپر مسلط ذلت تیرے راستے میں جہاد کیے بغیر صرف نمازوں روزوں اور صدقات خیرات کے زور پر ہی دور فرمادے۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہمارے پیارے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے اپنی تمام عمر تیرے راستے میں غیر مسلموں سے جہاد کیا لیکن اب چودہ سو سال گزر گئے ہیں، اب ہم آرام کے عادی ہوگئے ہیں۔ ہم جتنی کہے گا اُتنی باتیں کرلیں گے، ہمیں عمل کے لئے نہ کہہ۔ جہاد کے

علاوہ جو کہے گا کریں گے اگر بس میں ہوا اور تو ناراض نہ ہو۔

کیا ہوا جو ہم نے اُنہیں بیچ دیا۔ بھائی ہی بھائیوں کے کام آتے ہیں۔ افغان ہمارے بھائی ہیں۔ ہمارے کام آ گئے تو کیا ہوا۔ تو یقین جان وہ بہادر ہیں اُسے جھیل لیں گے۔ سخت جان ہیں گزار لیں گے۔ ایمان والے ہیں مشکل سے نکل آئیں گے۔ وہ ہم سے زیادہ تجھ پر یقین رکھتے ہیں۔ بس تو ہی مدد کر دے ہم خوشی سے دیکھیں گے۔

اے اللہ ہم کمزور ہیں، صلیبی افواج سے لڑ نہیں سکتے۔ ہم آرام طلب ہیں جہاد نہیں کر سکتے۔ عاصی ہیں جھیل نہیں سکتے۔ خطا کار ہیں گزار نہیں سکتے۔ نادان ہیں سمجھ نہیں سکتے۔ اِس لئے ہمیں رعایت دے اور اُنہیں ہمت دے۔ ہم سے درگزر فرما۔ اُنہیں آزمائش میں ڈال دے۔ افغان شہری صاحب عزیمت ہیں، اُنہیں عزیمت دے دے۔ ہم صاحب رخصت ہیں، ہمیں رخصت دے دے۔ اُنہوں نے جہاد کا سبق یاد رکھا اُنہیں آگے رکھ۔ ہم بھول گئے ہمیں چھٹی دے دے۔

یا اللہ ناراض نہ ہو، کیا ہوا جو کبھی کبھار تیرے بندوں سے مانگ لیا۔ ہمیشہ تو تجھ سے ہی مانگتے تھے۔ ویسے جن سے مانگا ہے وہ بھی تیرے بندے ہیں، کیا ہوا جو تجھ سے بگڑے ہیں۔ نافرمان ہیں، کافر ہیں، قاتل ہیں، بردہ فروش ہیں۔ ممکن ہے سدھر جائیں، راہ راست پر آ جائیں، ہماری نرمی اور عاجزی سے رام ہو جائیں۔ مانگنے سے پسیج جائیں، نرم پڑ جائیں۔ اُن سے رابطہ رکھنا ضروری ہے۔ ہم رابطے میں ہیں۔ یا اللہ تسلی رکھ، مناسب وقت آیا تو تبلیغ بھی کریں گے، دعوت بھی دیں گے مگر ابھی ٹائم نازک ہے۔ صلیبی مغربی ملک ابھی تھوڑے غصے میں ہیں ہم بھی چپ ہیں تو بھی درگزر کر۔

اے اللہ جو ترقی اُنہوں نے کی ہے وہ ہمیں بھی دے دے۔ محنت کا نہ کہہ ویسے ہی

دے۔اُن کے ڈالر کی خوشبو ہماری کرنسی میں ڈال دے۔اُن کی گوری چمڑی ہمیں پہنا دے۔ اُن کے مزے ہم پرحلال کردے۔حلال نہ کرتو مکروہ ہی کردے۔کم سے کم حرام سے تو نکال دے۔اللہ تو عظیم ہے۔ہم حرام کھائیں تو معاف کردے۔ظلم ڈھائیں تو درگزر کردے۔ بزدلی دکھائیں تو سزا نہ دے۔ بھائی اور بہنیں (مثلاً عافیہ صدیقی) بیچیں تو ناراض نہ ہو۔ اسلام چھوڑیں تو غصہ نہ ہو۔غیرت سے منہ موڑیں تو خفا نہ ہو۔ ہماری مصلحت قبول فرما۔ ہماری منافقت کو حکمت میں بدل دے۔پہلے اپنا آپ سنوارنے کی توفیق دے۔

اے اللہ ہم تیرے ہی بندے ہیں۔دیکھ خفا نہ ہو۔ہماری مشکلات کا اندازہ کر۔تو جانتا ہے ہم مجبور تھے۔ایک طرف دباؤ تھا۔ڈالر کا بہاؤ تھا۔بہاؤ میں رساؤ تھا۔ہم کیا کرتے،کہاں جاتے۔عاجز تھے تیرا نام لیا اور ڈالر کے بہاؤ میں کود گئے۔ہمیں پتہ تھا تو افغانوں کی مدد کرے گا۔ہم نہیں ہوں گے پھر بھی تو موجود ہوگا۔اس لئے اِس طرف آ نکلے۔مقصد لالچ نہ تھا،خوف بھی نہ تھا۔بس تیری شان دیکھنی تھی۔تیری نعمتوں کی تلاش تھی۔مگر اللہ ہم دکھی ہیں۔ ہماری مدد فرما۔ہم نے کپڑے اتارے مگر گیلے نہ ہوئے۔بہاؤ میں بہے مگر ڈالر نہ ملے۔اپنی بہنیں اور بھائی بیچے مگر جیب پھر بھی خالی رہی۔اے اللہ بش کے دل میں نرمی ڈال دے۔ ہماری محبت پیدا کردے۔وہ بھیجے کے بجائے جیب سے سوچے، پاول کی جگہ ڈالر کو بھیجے۔ اُسے توفیق دے کہ ہمیں کیش دے۔چیک دے۔نوٹوں کی برسات کردے۔ہم تیرے شکرگزار بندوں میں شامل ہونا چاہتے ہیں،ہمیں شکرگزار کردے۔تیری رحمتوں کے بوجھ سے جھک جانا چاہتے ہیں ہم پر نوٹوں کا بوجھ ڈال دے اور کاندھوں کی فکر نہ کر، اتنا بوجھ تو اُٹھا ہی لیں گے۔

اے اللہ ہم تجھے یاد رکھیں گے۔تیرا حکم مانیں گے۔ڈالروں کی زکوٰۃ دیں گے۔مگر اللہ یہ ڈھائی فیصد تھوڑا زیادہ ہے اِسے کچھ کم کردے۔دیکھ ناراض نہ ہو ایک فیصد کردے۔ہماری

تسلی ہو جائے گی ۔ یہ ہم افغانوں پر خرچ کریں گے ۔ اُنہیں خیمے دیں گے ۔ پلاسٹک کی بالٹی دیں گے ۔ پرانے جوتے دیں گے وہ اچھے ہوتے ہیں، کھلے ہوتے ہیں، پاؤں کو کاٹتے نہیں ۔ اے اللہ، ہم اُن کے یتیموں کو چندہ دیں گے، بیواؤں کو راشن دیں گے، بوڑھوں کو عینک بنوائیں گے، لڑکیوں کو سلائی مشین دیں گے، اُن کا خیال رکھیں گے ۔ تو بے فکر رہ ہم ہیں نا اُن کے ۔ ہم نہیں کریں گے تو کون کرے گا ۔ اسلامی بھائی ہیں، ہمسائے ہیں، اُن کا بڑا حق ہے ہم پر تو فکر نہ کر ۔ یہ سائیڈ ہم سنبھال لیں گے، دنیا بھر سے امداد لیں گے اور مل جل کے کھائیں گے ۔ بس تو یہ ڈالر والا کام کر دے اور فوری کر دے ۔

اے اللہ، دیکھ ناراض نہ ہونا ۔ ہم کمزور ہیں عاجز ہیں تیرے راستے میں جہاد نہیں کر سکتے ۔ ہم اپنے ڈرائنگ رومز میں بیٹھ کر صرف سیاسی تبصرے کرنا چاہتے ہیں، ٹی وی اور ڈش کے چینل کلک کرتے رہنا چاہتے ہیں اور مجاہدین پر وہی اعتراض کرنا چاہتے ہیں جو کچھ زہر ہمیں میڈیا پر اُن کے خلاف دکھایا جاتا ہے ۔ ہم کیا کریں ہم اسلامی کتابیں پڑھنا نہیں چاہتے کیونکہ وہ فلمی رسالوں کی طرح مزیدار نہیں ہوتیں اور علماء کے سامنے بیٹھ کر اُن سے اسلامی علم حاصل کرنے کی ہمارے اندر ہمت نہیں، کون یہ خشک کام کرے، اِس میں غیبتوں جیسے چٹخارے نہیں، سیاسی بحث مباحثے جیسا مزا نہیں، شاپنگ کرتے ہوئے بازاروں میں نظر آنے والے 'خوبصورت مناظر' نہیں ۔ اے اللہ، ہماری خطائیں بھول جا مگر ڈالر والی بات نہ بھولنا ۔ ضروری تاکید ہے ۔ ہم انتظار کریں گے ۔"

کیا آپ معاشرے کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں؟

اصلاحِ معاشرہ کا ایک طریقہ یہ ہے کہ لوگوں تک حق بات پہنچائی جائے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: مَنْ دَلَّ عَلٰى خَيْرٍ فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِهٖ (صحیح مسلم) "جو شخص، کسی نیک کام کی طرف، کسی دوسرے شخص کی راہنمائی کرے گا، اُسے نیک کام کرنے والے کے برابر اجر اور ثواب دیا جائے گا"

آیئے اصلاحِ معاشرہ کے کام میں دینِ اسلام کی مدد کریں۔ آپ کی دی ہوئی کتابوں کی وجہ سے جس گھر میں جو اچھے اثرات ہوں گے، آپ اُس اجر میں برابر کے شریک ہوں گے۔ ڈاکٹر گوہر مشتاق کی اصلاحِ معاشرہ کے موضوع پر کتابوں کے سیٹ کو خرید کر اپنے رشتہ داروں کو تحفے میں دیں:

1 ......ایک آنکھ والا دجال

2 ......موسیقی، اسلام اور جدید سائنس کی روشنی میں

3 ......انسانی دل اور قبولِ اسلام۔ ایک مذہبی اور سائنسی تجزیہ

4 ......معرکۂ روح و بدن

5 ......پردہ : عقلمند خواتین کا انتخاب

6 ......دجالی دور اور مسلم نوجوان

7 ......داڑھی کی اہمیت قرآن و سنت اور جدید سائنس کی روشنی میں

8 ......ویلنٹائن ڈے۔ بُت پرست رومیوں کا تہوار

9 ......سورۃ الواقعہ کی سائنٹفک تفسیر

10 ......سورۃ یٰسٓ کی تفسیر: کتاب و سنت اور جدید تحقیقات کی روشنی میں

11 ...... تزکیۂ نفس، اسلام اور جدید علم نفسیات کی روشنی میں

12 ...... روزے کے روحانی اور طبی فوائد قرآن، حدیث اور میڈیکل سائنس کی روشنی میں

13 ...... اللہ کی مدد کیوں نہیں آ رہی؟

14 ...... دجالی دور اور مسلم خواتین

15 ...... مسلم نوجوانوں کو درپیش سب سے بڑا مسئلہ

16 ...... عرشِ الٰہی سے لٹکتی قندیلوں میں، سبز پرندوں کے دلوں میں

17 ...... تاریخ کا سبق

تفصیلات کے لئے درج ذیل پتہ پر رابطہ کریں۔ مکتبہ خواتین میگزین، منصورہ ملتان روڈ۔ لاہور

فون نمبر: 0321-4708024 / 042-35435667